جواب :۔ حدیث میں ہے لکل سہو سجدتان (بلوغ المرام) ہر سہو کے لئے دو سجدے ہیں نماز میں دو سجدے تلاوت بھی ایک قسم سہو ہے اس لئے سجدہ کرے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۲ شوال ۱۳۵۸ھ - ۲۴ نومبر ۱۹۳۹ء

ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا

سوال :۔ بعض لوگ ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

جواب :۔ ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا صحیح نہیں صحیح یہ ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے یا بعد یعنی دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے۔ احادیث میں اسی طرح آیا ہے۔ ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنے کا کہیں ذکر نہیں یہ محض قیاس ہے۔ ہاں ایک طرف سلام بھی حدیث میں آیا ہے لیکن جو ایک سلام کے بعد سجدہ کرتے ہیں وہ نماز سے خارج ہونے کے لئے ایک سلام کے قائل نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۰ رمضان ۱۳۷۹ھ - ۱۵ مارچ ۱۹۶۰ء

نمازِ تہجّد۔ وِتر۔ تراوِیح

کیا نماز تہجّد رمضان میں باجماعت بدعت ہے

سوال :۔ نماز تہجّد کا رمضان مبارک میں پڑھنا اور باجماعت ادا کرنا سنّت ہے یا بدعت؟

جواب :۔ نماز تہجد اور تراویح ایک ہی ہے چنانچہ رسالہ اہل حدیث کے امتیازی مسائل میں ہم نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ تراویح، تہجد جب ایک ہوئی تو رمضان میں باجماعت ادا کرنا بھی ثابت ہو گیا کیونکہ تین روز رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت قیام کیا ہے پھر فرض ہونے کے خوف سے ترک کر دیا۔ چنانچہ مسلم شریف میں حدیث ہے اب چونکہ فرض ہونے کا خوف نہیں اس لئے باجماعت پڑھنا مسنون ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

تہجّد کی رکعت

سوال :۔ نماز تہجد کتنی رکعت ہے ؟

جواب :۔ تہجد۔ تراویح ایک ہی نماز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھائی ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

سوال :۔ تہجد میں کونسی سورت پڑھی جائے۔

جواب :۔ سورت کوئی مقرر نہیں جو چاہے پڑھے۔ ہاں وتروں میں سورہ اعلیٰ۔ سورہ قل یاایہا الکفرون سورہ قل ہو اللہ۔ یہ تینوں سورتیں تین رکعت میں ترتیب وار آئی ہیں۔ بعض روایتوں میں اخیری رکعتوں میں قل ھو اللہ احد۔ قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس بھی آئی ہیں۔ ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ باب الوتر)

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۔ ۹ جولائی ۱۹۳۷ء

تہجّد رہنے پر وتر کی قضائی

سوال :۔ اگر کسی کی تہجد کی نماز رہ جائے تو وہ وتروں کی قضائی دے یا ساری نماز ادا کرے۔

حاجی محمد اسماعیل گردیو شنکر

جواب :۔ مشکوٰۃ باب الوتر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نیند یا بیماری غالب آجاتی اور قیام اللیل رہ جاتا تو دن کو بارہ رکعت پڑھ لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سمیت اکثر گیارہ رکعت پڑھتے اس لئے دن میں ایک رکعت بڑھا کر بارہ پڑھ لیتے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ وتر کی ویسے قضا نہیں بلکہ دن میں ایک رکعت بڑھا کر پڑھ لینی چاہیئے۔ اگر ایک وتر پڑھتا ہو تو دن میں اس کی بجائے دو پڑھے اگر تین پڑھنے ہوں تو چار۔ پانچ پڑھنے ہوں تو چھ۔ سات پڑھنے ہوں تو آٹھ اور اگر نو پڑھنے ہوں تو دس پڑھ لیں۔ بس یہی قضا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ ۱۲ فروری ۱۹۳۷ء

وتر کی تین رکعت ایک قعدہ سے

سوال:۔ وتر کی تین رکعت دو قعدے اور ایک سلام سے پڑھتے ہیں، حدیث شریف سے ثابت ہے یا نہیں۔ (عبدالکریم)

جواب:۔ اس میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں۔ مغرب کی نماز کی طرح پڑھے۔ اہل حدیث کہتے ہیں کہ اس کے دو طریق ہیں۔ ایک یہ کہ دو پڑھ کر سلام پھیر دے۔ ایک الگ پڑھے۔ تاکہ صلوۃ اللیل مثنی مثنی پر عمل ہو جائے۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ پانچ کی طرح پڑھے یعنی دو رکعت پر نہ التحیات پڑھے نہ سلام پھیرے۔ حدیث میں ہے۔

لا توتروا بثلث تشبهوا بالمغرب - الحديث

یعنی تین وتر نہ پڑھو اس میں مغرب کی مشابہت ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے

لا يسلم الا في اخرهن

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رکعت میں سلام پھیرتے

ہر دو حدیثوں میں موافقت کی صورت یہ ہے کہ درمیان التحیات نہ بیٹھے۔ کیونکہ جب التحیات نہ بیٹھا تو مغرب کی مشابہت ٹوٹ گئی۔ اگر کہا جائے کہ دعا قنوت سے پہلے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اس سے مغرب اور وتر کے درمیان فرق ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا تو اور نمازوں میں بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے فجر کی نماز میں ثابت ہے (قیام اللیل) اور اگر کسی حادثہ کے وقت مغرب میں بھی دعا قنوت اسی طریق پر پڑھی گئی تو وتر اور قنوت میں کچھ فرق نہیں رہے گا۔ ہاں اگر التحیات نہ بیٹھے تو اس صورت میں مغرب سے مشابہت نہیں ہو سکتی۔ نیز یہ قرین قیاس بھی ہے کیونکہ التحیات پڑھ کر اخیر کی رکعت کو الگ کرنا سات سے شروع ہوتا ہے۔ اگر تین سے شروع ہوتا تو اس کے اوپر پانچ میں بھی ہوتا حالانکہ پانچ میں نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ نہ درمیان التحیات بیٹھے نہ سلام پھیرے۔ اس کے علاوہ ایک صریح روایت بھی ہے کہ آپ تین وتر میں درمیان نہیں بیٹھتے تھے

لے اگر کہا جائے کہ بعض سلف سے نماز مغرب کی طرح پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ قیام اللیل میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیام اللیل میں سلف کا عمل دونوں طرح سے لکھا ہے۔ یعنی نماز مغرب کی طرح بھی۔ اور بغیر التحیات اور سلام کے بھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دلیل کی رو سے کس کو ترجیح ہے یا بہتر صورت کونسی ہے تو دلیل کی رو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تین وتر بغیر التحیات اور بغیر سلام کے پڑھنے چاہئیں۔ فافہم

تلخیص میں ہے۔

اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يَجْلِسُ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ

(احمد و النسائی والبیھقی والحاکم من روایۃ عائشۃ تلخیص ص ۱۱۹)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے۔ درمیان نہیں بیٹھتے تھے

روایت کیا اس کو نسائی۔ بیہقی اور حاکم نے حضرت عائشہ رض کی روایت سے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

قنوت سے پہلے تکبیر کہنا

سوال :۔ قنوت سے پہلے تکبیر کہنا درست ہے۔

جواب :۔ قنوت سے پہلے تکبیر کہنے کی بابت حدیث میں کچھ تصریح نہیں آئی۔ اور سلف کا اس میں اختلاف ہے۔ بہتر ہے کہ ایسا کام نہ کرے جس کی بابت دلیل کی رو سے پوری تشفی نہ ہو۔ ہاں ہاتھ اٹھانا دعا میں بے شک ثابت ہے اور دعا قنوت بھی ایک دعا ہے تو اس وجہ سے اس میں بھی ہاتھ اٹھا سکتا ہے خصوصاً جبکہ بہت سے سلف کا عمل بھی اس پر ہے (قیام اللیل) البتہ جس طریق سے حنفیہ اٹھاتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کی طرح رفع یدین کر کے ہاتھ باندھ لیتے ہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور اسی طرح رکوع سے پہلے دعا قنوت کا ثابت کرنا اور اسی پر حصر کرنا یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ پہلے پیچھے دونوں طرح ثابت ہے پس دونوں پر عمل چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۹۲۵ء

ایک وتر

سوال :۔ کیا عشاء کی سنتوں کے بعد ایک وتر پڑھنا جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عشاء کے فرضوں کے بعد دو رکعت ہی پڑھ کر ایک وتر نہیں پڑھ سکتا۔ ہاں فرضوں کے بعد چار رکعت پڑھے تو ایک وتر پڑھ سکتا ہے۔ (صمد الدین گجیانڈی)

جواب :۔ جب ایک وتر جائز ہے تو پھر اس سے پہلے دو رکعت شرط کرنا بے دلیل ہے اگر یہ خیال ہو کہ ایک وتر کس نماز کو طاق کرے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عشاء کے فرضوں اور سنتوں کو۔ کیونکہ دن کی نمازوں کے وتر مغرب کی نماز ہے اور رات کی نمازوں کے وتر رات کے وتر ہیں جو ایک سے لے کر نو تک ہیں چونکہ دن کے

وتر مغرب کی نماز ہے۔ اس لئے اگر کسی کی تہجد یا وتر رہ جائیں تو وہ دن میں طاق نہیں پڑھ سکتا بلکہ ایک رکعت بڑھا کر جفت پڑھے مثلاً رات کو وتر ایک پڑھتا ہے تو دن میں دو رکعت پڑھے۔ اگر زیادہ پڑھتا تھا تو اس پر ایک اور بڑھا لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ جب کسی وجہ سے تہجد رہ جاتی تو دوپہر سے پہلے ۱۲ رکعت پڑھ لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جتنی نماز رات کو پڑھتا ہے اس سے ایک رکعت بڑھا کر پڑھے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۲ شوال ۱۳۵۵ھ ۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۶ء

دعاء قنوت۔ محل دعاء۔ نماز فجر میں دعاء قنوت

سوال:۔ نماز وتر میں آخری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ کی حالت میں دعاء قنوت ہاتھ اٹھا کر مانگنے کا کیا ثبوت ہے۔ اور نماز فجر میں دعاء قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے۔

عبدالحمید خان معرفت نذیر محمد نازمین ریلوے شیڈ لدھیانہ

جواب:۔ پانچوں نمازوں میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنا بدعت ہے۔ البتہ فجر کی نماز میں بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ حدیث میں جب ضعف تھوڑا ہو تو فضائل اعمال میں معتبر ہے۔ ہاں ضروری سمجھنا ٹھیک نہیں کیونکہ حدیث میں ضعف ہے۔

اللھم اھدنا پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تشہد میں السلام علیک ایھا النبی کی جگہ السلام علی النبی پڑھتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے حسب ضرورت دعاء میں لفظ بدل جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور ضمیر کا بدلنا تو کوئی بڑا تغیر بھی نہیں۔ السلام علی النبی کی نسبت معمولی ہے۔ پھر تشہد زیادہ احتیاط والی شے ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد اس طرح سکھاتے جیسے قرآن کی سورۃ سکھاتے۔ جب ایسی احتیاط کی شے میں حسب موقعہ تصرف جائز ہوا تو دعاء قنوت میں کیوں جائز نہ ہوگا جو اس کی نسبت معمولی ہے اور تصرف بھی ہلکا ہے۔ اس کے علاوہ بعض روایتوں میں تصریح بھی آئی ہے۔

سُنن کبریٰ بیہقی میں ہے۔

ان بريد بن ابى مريم اخبره قال سمعت ابن عباس ومحمد بن على هو ابن الحنفية بالخيف يقولان كان النبى صلى الله عليه وسلم يقنت فى صلوٰة الصبح

وفی وتر اللیل بھولاء الکلمات اللّٰھمّ اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارك لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت انك تقضی ولا یقضی علیك انه لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت وروینا عن الولید بن مسلم کما اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ ثنا ابو الولید حسان بن محمد الفقیہ ثنا ابو بکر محمد بن محمد سلیمان ثنا ھشام بن خالد الازرق ثنا الولید ابن مسلم ثنا ابن جریج عن ابی ھرمز عن برید بن ابی مریم عن عبد اللہ بن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یعلمنا دعاء ندعو به فی القنوت من صلوۃ الصبح اللّٰھمّ اھدنا فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت وبارك لنا فیما اعطیت وقنا شر ما قضیت انك تقضی ولا یقضی علیك انه لا یذل من والیت۔ تبارکت ربنا وتعالیت۔ رواہ مخلد بن یزید الحرانی عن ابن جریج فذکر روایة برید مرسلة فی تعلیم النبی صلی اللہ علیه وسلم احد ابنی ابنته ھذا الدعاء فی وترہ ثم قال برید سمعت ابن الحنفیه وابن عباس یقولان کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقولھا فی قنوت اللیل وکذلك رواہ ابو صفوان الاموی عن ابن جریج الا انه قال عن عبد اللہ بن ھرمز وقال فی حدیث ابن عباس وابن الحنفیة فی قنوت صلوۃ الصبح فصح بھذا کله ان تعلیمه ھذا الدعاء وقع لقنوت صلوۃ الصبح وقنوت الوتر ان بریدا اخذ الحدیث من الوجھین الذین ذکرناھما وباللہ التوفیق (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲)

ان حدیثوں کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے ابن عباس اور محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں اور رات کے وتروں میں ان کلمات کے ساتھ دعا مانگتے تھے۔ اللّٰھمّ اھدنی فیمن ھدیت نیز ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں دعاء قنوت کے یہ کلمات سکھاتے تھے اللّٰھمّ اھدنا فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت الخ۔ اور مخلد بن یزید نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برید کی روایت مرسل ذکر کی۔ یعنی ابن جریج کے استاد عبد الرحمن بن ہرمز کا نام نہیں لیا۔ پھر برید نے کہا میں نے محمد بن حنفیہ اور ابن عباسؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رات کی نماز میں یہ کلمات کہتے تھے اور ابو صفوان اموی نے بھی اس حدیث کو ابن جریج سے روایت کیا ہے لیکن اس نے ابن جریج کا استاد عبدالرحمن بن ہرمز کی بجائے عبداللہ بن ہرمز ذکر کیا ہے۔ نیز ابن عباس رض اور محمد بن حنفیہ رح کی حدیث میں صبح کی نماز کا نام لیا ہے۔ پس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء قنوت نماز صبح اور نماز وتر دونوں میں سکھائی ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بریدؓ، ابن عباسؓ اور محمد بن حنفیہ دونوں سے سنا ہے۔ وباللہ التوفیق

محل دعاء قنوت

مستدرک حاکم میں اس دعاء کا محل بھی بتایا ہے۔

عن الحسن بن علی قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وتری اذا رفعت راسی ولم یبق الا السجود اللھم اھدنی (مستدرک جلد ۳ ص ۱۷۲)

یعنی حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وتر میں جب میں رکوع سے سر اٹھاؤں اور صرف سجدہ باقی رہ جائے یہ دعاء سکھائی۔ اللھم اھدنی

مختصر میں ذہبی نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے اور جس حدیث پر ذہبی مختصر میں سکوت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔

ہاتھ اٹھانا

قیام اللیل مروزی ص ۱۳۳ وغیرہ میں بعد رکوع کے دعاء قنوت میں ہاتھ اٹھانا سلفؒ سے روایت کیا ہے

مقتدیوں کا دعائے قنوت میں آمین کہنا

مقتدیوں کا دعائے قنوت میں آمین کہنا ابوداؤد میں موجود ہے۔ مگر یہ عام دعائے قنوت کے متعلق ہے۔ وتروں کی خصوصیت نہیں کوئی۔ ہاں وتر بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں کیونکہ وتروں کی دعاء بھی دعائے قنوت ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۸ رمضان ۱۳۸۳ھ - ۲۴ جنوری ۱۹۶۴ء

دعائے قنوت

سوال :- راقم الحروف عرصہ سے ملک ملایا میں مقیم ہے۔ جریدہ تنظیم میرے نام آتا ہے۔ ماشاءاللہ مسائل کی تحقیق خوب ہوتی ہے حسب ذیل مسئلہ تفصیل فرماکر مشکور فرمائیں۔

نماز وتر میں دُعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد اور دعاء قنوت ہاتھ اٹھا کر پڑھی جائے یا باندھ کر

آپ کا خادم عبداللہ خان پتانگ ملک ملایا

جواب :- قیام اللیل مروزی میں حضرت انس رضؓ سے حدیث مروی ہے جس کا اُردو ترجمہ یہ ہے۔

انس رضہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ عمر رضہ رکوع کے بعد قنوت پڑھتے یہاں تک کہ عثمان رضہ کی خلافت ہوئی۔ انہوں نے رکوع سے پہلے شروع کر دی تاکہ لوگ رکعت پالیں۔

اور عوام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابوعثمان نہدی سے صبح کی قنوت سے سوال کیا تو فرمایا کہ رکوع کے بعد ہے۔ میں نے پوچھا کہ کس سے نقل کی ہے فرمایا ابوبکر رضہ۔ عمر رضہ۔ عثمانؓ سے۔

اور ابن سیرینؒ کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضہ کی خلافت میں ابی رضہ لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھاتے۔ جب نصف رمضان ہو جاتا تو رکوع کے بعد بلند آواز سے قنوت پڑھتے۔

اور ابوعبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں۔ حضرت علی رضہ وتر میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتے۔ اور ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں اسودؒ کے لئے میں قرآن مجید تھامے رکھتا وہ بیمار تھے۔ جب وتر کی تیسری رکعت سے فارغ ہوتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے۔

اسودؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضہ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔ اور ایک روایت میں ہے قرأت کے بعد رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔ اور عبداللہ بن شداد کہتے ہیں میں نے عمر رضہ۔ علی رضہ اور ابوموسےٰ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ انہوں نے صبح کی نماز میں قنوت رکوع سے پہلے پڑھی ہے۔ اور حمید رحہ سے روایت ہے کہ میں نے انسؓ سے قنوت کی بابت سوال کیا کہ رکوع سے پہلے ہے یا بعد۔ تو فرمایا کہ ہم پہلے بھی پڑھتے تھے اور پیچھے بھی۔ اور اسودؒ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی اور امام احمد سے سوال کیا گیا کہ قنوت وتر رکوع سے پہلے ہے یا پیچھے ہے اور قنوت وتر میں ہاتھ اُٹھائے جائیں یا نہ۔ آپ نے فرمایا کہ قنوت رکوع کے بعد پڑھنی چاہئے۔ اور قنوت وتر میں ہاتھ اُٹھائے جائیں۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ہے۔ آپ فجر کی نماز میں اسی طرح کیا کرتے تھے۔

اور ایوب اور ابوخثیمہ اور ابن ابی شیبہ کا یہی مذہب ہے۔

فجر کی نماز میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں مگر زیادہ تر رکوع کے بعد کی ہیں۔ اس لئے امام احمد رحنے رکوع کے بعد کو ترجیح دی ہے۔

رہا ہاتھوں کا اٹھانا تو اس کی بابت بھی روایتیں آئی ہیں۔ قیام اللیل میں ہے۔

عن الاسود ان عبد اللّٰہ بن مسعود کان یرفع یدیہ فی القنوت الی صدرہ وعن ابی عثمان النھدی کان عمر یقنت بنا فی صلوۃ الغداۃ ویرفع یدیہ حتی یخرج ضبعیہ وعن خلاس رایت ابن عباس رض یمد ضبعیہ فی قنوت صلوۃ الغداۃ وکان ابوھریرۃ یرفع یدیہ فی قنوتہ فی شھر رمضان۔ (قیام اللیل ص۱۳۴)

یعنی اسودؓ کہتے ہیں۔ عبد اللہ بن مسعودؓ قنوت میں سینہ تک ہاتھ اٹھاتے اور ابی عثمان کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضہ صبح کی قنوت میں اتنے ہاتھ اٹھاتے کہ بازوؤں کے اندر کی طرف ظاہر ہو جاتی۔ اور خلاسؒ کہتے ہیں۔ میں نے ابن عباس رضہ کو دیکھا انہوں نے صبح کی نماز میں اپنے بازو لمبے کئے۔ اور ابوہریرہؓ ماہ رمضان میں اپنی قنوت میں دونوں ہاتھ اٹھاتے۔

جب امام کے ساتھ پڑھنے کا موقع ہو تو مقتدی صرف آمین کہے۔ سُنّت طریق یہی ہے۔ قیام اللیل مروزی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے متواتر نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر میں قنوت پڑھی۔ جب آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ کئی ایک قبائل بنی سلیم۔ رعل، ذکوان، عصیہ پر بددعا کرتے اور پیچھے لوگ آمین کہتے۔

عکرمہ کہتے ہیں۔ آمین قنوت کی چابی ہے۔ یعنی امام درمیان میں وقفہ کرے۔ جب مقتدی پہلے کلمہ پر آمین کہیں تو پھر امام اگلا کلمہ شروع کرے۔ حسن کو کہا گیا لوگ قنوت میں شور ڈالتے ہیں یعنی سارے دعا پڑھتے ہیں۔ فرمایا یہ سنت کے خلاف ہے۔

حضرت عمر رضہ قنوت پڑھتے اور مقتدی آمین کہتے اور معاذ قاری نے دعاء قنوت میں کہا کہ بارش بند ہو گئی تو لوگوں نے اس پر آمین کہی۔ جب معاذ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا میرے اس لفظ پر کہ "اے اللہ! بارش بند ہو گئی" تم نے آمین کیوں کہی۔ کیا تم سُنتے نہیں کہ میں کیا کہتا ہوں۔ پھر فرمایا آمین تو ایک دعائیہ کلمہ ہے۔ میرا یہ کلمہ کہ بارش بند ہو گئی یہ تو صرف خدا کے سامنے مصیبت کا اظہار ہے۔ کلمہ دُعائیہ کا محل تو اس کے بعد تھا۔ مثلاً اظہار مصیبت کے بعد یہ کہا جاتا کہ یا اللہ! اس مصیبت کو دور کر۔ یہ کلمہ دُعائیہ ہے۔ تم اس پر آمین کہتے تم ویسے ہی

آمین کہہ دیتے ہو۔

اِس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ مقتدی آمین کہیں۔ دوسری یہ کہ کلمہ دعائیہ پر آمین کہیں بے محل آمین نہ کہیں۔ جیسے کہ آج کل رواج ہے ویسے ہی بے سمجھے ہر کلمہ پر آمین کہے جاتے ہیں یہ خیال نہیں کرتے کہ امام کیا کہہ رہا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضروری اور ہمیشہ کی دعا کا ترجمہ ضرور سیکھنا چاہیے تاکہ پتہ لگے کہ امام کیا کہہ رہا ہے۔

عوام اس معاملہ میں کوتاہی بہت کرتے ہیں بلکہ سرے سے ساری نمازیں بے سمجھی میں پڑھتے ہیں کیونکہ ترجمہ نہ جاننے کی وجہ سے انہیں کچھ معلوم تو نہیں ہوتا کہ ہماری زبان سے کیا نکل رہا ہے۔

حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا کو سنتا ہی نہیں (مشکوٰۃ کتاب الدعوات فصل ۲) تو بھلا ایسی بے سمجھی کی نماز خدا کے ہاں کیا قبول ہوگی۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ امام کے دور ہونے کی وجہ سے مقتدی امام کی آواز نہ سنے یا سمجھ میں کچھ نہ آئے تو آمین کہنے کی بجائے اپنے طور پر دعا مانگے۔

قال ابوداؤد سمعت احمد سئل عن القنوت فقال الذی یعجبنا یقنت الامام یؤمن من خلفه قال وکنت اکون خلفه فکنت فی القنوت فلم اسمع منه شیئا قلت لاحمد اذا لم اسمع قنوت الامام ادعو قال نعم۔

یعنی امام ابوداؤد کہتے ہیں۔ امام احمد سے قنوت کی بابت سوال ہوا۔ فرمایا جو ہمیں پسند ہے وہ یہ ہے کہ امام قنوت پڑھے اور مقتدی آمین کہیں۔

امام ابوداؤد کہتے ہیں میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں اور اس کی آواز کے سننے کو کان لگاتا ہوں لیکن سنائی کچھ نہیں دیتا تو میں نے امام احمد سے کہا جب میں امام کی قنوت نہ سنوں تو اپنی دعا پڑھوں۔ فرمایا۔ ہاں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۳ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ ۹ نومبر ۱۹۶۲ء

تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں یا ایک؟ کیا آپ نے تراویح کے ساتھ تہجد بھی پڑھی ہے

سوال:- جن راتوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کا قیام کرنے کے لئے نہیں نکلے اور صحابہ کرام مسجد میں منتظر رہے۔ ان راتوں میں نماز تراویح آپ نے پڑھی تھی یا نہیں؟ اور لوگوں کو انتظار

کی تکلیف میں کیوں ڈالا جو ویسے ہی مسئلہ کیوں نہ بتا دیا۔ کیا تراویح اور تہجد دو نمازیں ہیں یا ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔

جواب:۔ تہجد اور تراویح ایک ہی ہے۔ مغایرت اسمی اس طرح کی ہے جیسے دریائے برہم پتر۔ سانپو۔ سنگھنا یہ تینوں ایک دریا کے نام ہیں جو جھیل مانسرور کوہ ہمالیہ کی جانب شمال سے نکلتا ہے۔ اس طرح اٹک۔ سندھ وغیرہ۔ دریا ایک ہی ہے جس علاقے سے گذرا۔ اُس کے نام سے موسوم ہو گیا۔ ٹھیک اسی طرح تراویح ہے۔ رمضان میں اسی تہجد کا نام تراویح رکھ دیا گیا۔ کیونکہ چار پڑھ کر ذرا ترویحہ کرتے ہیں یعنی ٹھہر جاتے ہیں۔ پھر یہ نام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھا بلکہ اس کو اس وقت قیام رمضان کے نام سے موسوم کرتے تھے جیسا کہ دریا کی مثال مذکورہ کے موافق ہے کہ جہاں سے گذرا وہاں کے نام سے موسوم ہو گیا۔

نمازِ وتر

سب سے وتر تو وہ رات کی نمازوں کو طاق کرنے کے لئے ایک نماز ہے اگر اور نفل نہ ہوں تو الگ نماز ہے۔ اگر اور نفل ہوں تو یہ ان کی جزء بن جاتی ہے اس لئے جب وہ رات کی نماز سے مل جاتی ہے تو کبھی اس کے ساتھ شامل کر کے یوں کہتے ہیں۔ گیارہ رکعت قیام رمضان یا گیارہ تراویح وغیرہ۔

تہجد کا اول رات پڑھنا بھی ثابت ہے۔ مشکوٰۃ عائشہؓ سے روایت ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فیما ان یفرغ من صلوٰۃ العشاء الی الفجر احدی عشرۃ رکعۃ الحدیث (مشکوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے لے کر فجر تک گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ساری رات جاگتے۔ مگر یہ دوسری احادیث کے خلاف ہے کیونکہ آپ ساری رات نہیں جاگتے تھے۔ الا نادراً[1]۔

دوسرا مطلب یہ کہ کبھی اوّل رات گیارہ رکعت پڑھتے کبھی اخیر رات۔ تیسرا مطلب یہ کہ کچھ دیر نماز پڑھتے

---

[1] جب تین روز تراویح با جماعت پڑھائی ہیں۔ ان سے آخری رات ساری رات جاگنا ثابت ہوتا ہے اس لئے الا نادراً کہا گیا ہے۔

پھر سو جاتے۔ ان دونوں مطلبوں کی صورت میں تہجد کا اول رات پڑھنا کچھ حصہ یا تمام ثابت ہو گیا بلکہ پہلے مطلب کی صورت میں بھی کچھ حصہ ثابت ہو گیا۔ بہرصورت تہجد کو اخیر رات کے ساتھ خاص کرنا غلط ہے۔ ہاں اخیر رات افضل ہے۔ اس لئے آپ اکثر اخیر رات پڑھتے۔

مشکوٰۃ میں ایک اور حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ما کنا نشاء ان نری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل مصلیا الا رایناہ ولا نشاء ان نراہ نائما الا رایناہ (حوالہ مذکور)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے کسی حصہ میں نماز پڑھتے دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے۔ اس طرح کسی حصہ میں سوئے ہوئے دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ تہجد اخیر رات کے ساتھ خاص نہیں۔ نیز مشکوٰۃ باب الوتر میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

ربما اوتر فی اول اللیل وربما اوتر فی آخرہ

یعنی بہت دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر اول رات پڑھے ہیں اور بہت دفعہ اخیر رات۔

اس سے مراد اگر پوری تہجد وتر سمیت ہو تو پھر تہجد کا اول رات ہونا واضح ہے اور اگر صرف وتر مراد ہوں۔ تو وتروں کے بعد صرف دو رکعت بیٹھ کر آپ نے بعض اوقات پڑھی ہے ورنہ وتر آپ کی نماز کے اخیر ہوتے۔ اور آپ نے ارشاد بھی فرمایا اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا۔ یعنی رات کی اخیر نماز وتر کو کرو۔ پس اس سے بھی تہجد کی تخصیص اخیر رات کے ساتھ باطل ہوئی۔ خاص کر جب اس بات کو دیکھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد ضرور پڑھا کرتے تھے تو وتر تہجد کی جز ہو گئے چنانچہ اوپر گزر چکا ہے۔ پس تہجد کی تخصیص اخیر رات کے ساتھ نہ رہی۔

اب یہ سوال کہ جن راتوں میں صحابہ کرام مسجد میں انتظار کرتے رہے ان راتوں میں آپ نے نماز تراویح پڑھی یا نہیں پڑھی؟ یہ بے محل ہے کیونکہ جب نماز تراویح تہجد سے جدا نہ ہوئی اور تہجد آپ ضرور پڑھتے تھے تو وہی نماز تراویح ہو گئی۔ اور اگر بالفرض تہجد نہ پڑھی ہو تو پھر نماز تراویح نہیں پڑھی۔ کیونکہ جب دونوں ایک ہیں تو ایک کا اثبات دوسری کا اثبات ہے۔ اور ایک کی نفی دوسری کی نفی ہے۔

اس کے علاوہ تین راتیں جن میں آپ نے صحابہؓ کو نماز تراویح پڑھائی اُن سے اخیری رات میں ساری رات

صبح تک نماز پڑھائی ہے۔ اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں۔

واما العدد فروی ابن حبان وغیرہ انہ صلی بھم تلک اللیالی ثمان رکعات وثلث رکعات وتر۔

یعنی ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ان راتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو وتر سمیت گیارہ رکعت پڑھائی ہیں

جب صبح تک گیارہ رکعت پوری ہوئیں تو تبلائیے تہجد کس وقت پڑھی۔ پس تہجد اور تراویح کو دو کہنا ذبل غلطی ہے اور تہجد کے لفظی معنی سونے کے بھی ہیں اور جاگنے کے بھی ہیں۔ اور بعض نے ترک نیند کے معنی بھی کئے ہیں۔ اور ترک نیند دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ وقت نیند کا ہو اور نہ سوئے دوم یہ کہ سویا ہوا ہو۔ اور وقت نیند کا باقی ہو مگر اس کو پورا نہ کرے۔ اور اب عرف شرع میں رات کی نیند کا نام ہو گیا ہے۔ خواہ اول رات ہو یا اخیر رات لیکن اخیر رات چونکہ افضل ہے اور اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اخیر رات پڑھتے اور تہجد گذار لوگ بھی رمضان کے سوا اکثر اخیر رات ہی پڑھتے ہیں۔ اس سے بعض کو دھوکا لگا ہے کہ تراویح تہجد نہیں ورنہ حقیقت ان کی ایک ہی ہے۔ صرف نام ہی کا فرق ہے جیسے اوپر دریا کی مثال سے واضح کیا گیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۳۰ رجب ۱۳۵۷ھ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۸ء

بیس تراویح اور بدعت

سوال :- کیا حضرت عمرؓ نے بیس تراویح جاری کیں۔ اور کیا آپ بیس تراویح جاری کرنے کی وجہ سے معاذ اللہ بدعتی ہیں۔

(کمال الدین جیٹھیانشہرا)

جواب :- اعتصام بالسنۃ اور انتقاد الرجیح میں اس بات کا کہیں نام و نشان نہیں کہ حضرت عمرؓ نے بیس تراویح نکالی ہیں اس لئے بدعتی ہیں بلکہ حضرت عمرؓ کی اس قدر تعریف کی ہے جس سے زیادہ ان کی تعریف نہیں ہو سکتی چنانچہ انتقاد الرجیح میں لکھا ہے۔

وابوبکر افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم عمر

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ ہیں

یہی اعتصام بالسنۃ والے کا اعتقاد ہے۔ بھلا جو شخص حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کو سب لوگوں سے افضل کہے وہ ان کو معاذ اللہ بدعتی کہہ سکتا ہے۔ یہ محض افترا ہے۔ پھر یہ بھی بناوٹ ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس تراویح نکالی ہیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ایسی کوئی روایت نہیں آئی جس میں تصریح ہو کہ بیس تراویح حضرت عمرؓ نے جاری کی ہیں۔ اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ثبوت ہے۔ ہاں حضرت عمرؓ نے وترسمیت گیارہ تراویح کی جماعت قائم کی ہے۔ اور اس جماعت قائم کرنے کو بدعت حسنہ کہا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے ——————— رہی یہ بات کہ تراویح کی جماعت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے اور پھر حضرت عمرؓ نے اس کو بدعت کیوں کہا۔ تو اس کا جواب بھی مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دن جماعت کرائی ہے۔ پھر فرض ہونے کے خوف سے ترک کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی شروع خلافت میں اسی طرح بند رہی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے پھر نئے سرے سے جاری کر دی تو گویا یہ لغوی معنیٰ سے بدعت ہوئی۔ کیونکہ جو شرع میں بدعت ہو وہ مردود اور گمراہی ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام فصل اول میں ہے۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌ

یعنی جو شخص دین میں نیا کام نکالے وہ مردود ہے۔

نیز خطبوں میں ہر وقت پڑھا جاتا ہے۔ کل بدعۃ ضلالۃ۔ یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔

ہم نے اپنے رسالہ "رد بدعات" میں بتایا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی آٹھ تراویح ہیں باقی نفل یعنی سنت صرف آٹھ ہیں۔ اس کے بعد نفل ہیں خواہ پڑھے یا نہ اگر پڑھے تو خواہ بیس پڑھے یا کم و بیش اس کا کوئی حرج نہیں لیکن سنت صرف آٹھ ہی ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی، جمادی الاول ۱۳۵۲ھ ۱۶ جولائی ۱۹۳۳ء

تراویح اُجرت پر پڑھانے کا مسئلہ

سوال :۔ کیا رمضان شریف میں تراویح میں قرآن مجید سنا کر اُجرت اور اُجرت مقرر کرنے پر قرآن شریف سنانا جائز ہے۔ عبدالرحیم خطیب فیروز وٹواں ڈاکخانہ خاص ضلع شیخوپورہ

جواب :- اُجرت پر قرآن مجید تراویح میں سننا یا اُجرت پر قرآن مجید سنانا بالکل جائز نہیں بلکہ ایسے شخص کے پیچھے تراویح ہی نہیں ہوتیں۔ قیام اللیل میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۴ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ - ۱۱ جون ۱۹۴۰ء

بیس تراویح پڑھنے والے امام کے پیچھے آٹھ تراویح

سوال :- ماہ رمضان شریف میں اہل احناف بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ اہل حدیث کے نزدیک آٹھ رکعت ہیں۔ اہل احناف تین رکعت وتر ادا کرتے ہیں۔ درمیان میں تشہد بیٹھتے ہیں۔ اہل حدیث یہ تشہد نہیں پڑھتے۔ کیا ہم بھی ان صورتوں میں ان کے ساتھ اقتداء کرتے رہیں کیونکہ اگر ان کے ساتھ تراویح نہ پڑھیں تو قرآن مجید سننے سے محروم رہتے ہیں۔

ملاں محمد ابراہیم سول ریسٹ ہاؤس کالکا ضلع انبالہ

جواب :- تراویح اصل میں آٹھ ہی ہیں۔ آپ آٹھ تراویح کی نیت سے پڑھ لیا کریں۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے گھر میں جاکر وتر اول رات پڑھیں یا اخیر رات پڑھیں اگر چاہیں تو بیس رکعت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں مگر آٹھ سے زائد محض نفلوں کی نیت کریں۔ اور وتر بدستور گھر میں پڑھیں۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء

پورا رمضان تراویح مسجد میں پڑھنے اور اس میں قرآن ختم کرنے کا ثبوت

سوال :- قیام رمضان یعنی نماز تراویح باجماعت سارا رمضان اوّل رات میں مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

جواب :- سارا رمضان مسجد میں تراویح جائز ہے۔ کیونکہ بخاری، مسلم وغیرہ میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن باجماعت مسجد میں پڑھیں پھر فرض ہونے کے خوف سے ترک کر دیں۔ اور صحیح ابن حبان اور ابن خزیمہ میں ہے کہ ان راتوں میں آٹھ رکعتیں پڑھائیں۔ فرض ہونے کے خوف سے ترک کرنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا تو سارا رمضان پڑھاتے اب چونکہ خوف نہیں اس لئے یہ سلسلہ اچھا ہے۔

بعض لوگ قرآن مجید کے ختم کے متعلق بھی سوال کرتے ہیں کہ رمضان میں ایک دفعہ ختم کرنا ضروری ہے اس کا کوئی ثبوت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ویسے تو انسان کو بارہ ماہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر ماہ میں کم سے کم ایک دفعہ ختم کرے۔ کیونکہ عبداللہ بن عمرو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

صم کل شہر ثلاثۃ ایام واقرأ القرآن فی کل شہر (مشکوۃ باب صیام التطوع)

یعنی ہر ماہ میں تین روزے رکھا کر اور ہر ماہ میں قرآن ختم کیا کر۔

لیکن رمضان میں اس کا زیادہ اہتمام چاہیئے۔ کیونکہ مشکوۃ باب الاعتکاف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں جبرئیل علیہ السلام سے قرآن شریف کا دورہ کرتے تھے اور جس سال آپ فوت ہوئے اس سال دو دفعہ دور کیا۔ اس کے علاوہ رمضان میں چونکہ قیام اللیل کا زیادہ اہتمام ہوتا ہے اور اس کی ترغیب بھی زیادہ آئی ہے اور قیام قرآن مجید کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے رمضان میں زیادہ کوشش کرنی چاہیئے تاکہ کم سے کم ایکدفعہ قرآن مجید ختم ہو جائے۔ اگر خود نہ پڑھ سکے تو سن لے۔ کیونکہ کنز العمال جلد اول صفحہ ۱۲ بحوالہ مسند احمد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من استمع الی ایۃ من کتاب اللہ کتبت لہ حسنۃ مضاعفۃ ومن تلا آیۃ من کتاب اللہ کانت لہ نورا یوم القیمۃ۔

یعنی جو شخص کتاب اللہ کی ایک آیت کی طرف کان لگائے اس کے لئے دوگنی نیکی لکھی جاتی ہے اور جو کتاب اللہ کی ایک آیت پڑھے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہو گا۔

یہ حدیث تفسیر امام سیوطیؒ درمنثور میں بھی زیر آیت کریمہ واذا قری القرآن الایۃ مذکور ہے اور امام سیوطیؒ نے اس کو حسن بھی کہا ہے۔ پس جو شخص پڑھ نہ سکے وہ پورا قرآن مجید سننے کی کوشش کرے۔

ترغیب ترہیب صفحہ ۱۱ منذری کتاب الصوم صفحہ ۱۱ میں ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصیام والقرآن یشفعان للعبد یوم القیمۃ یقول الصیام ای رب منعتہ الطعام والشہوۃ فشفعنی فیہ ویقول القرآن منعتہ النوم باللیل فشفعنی فیہ فیشفعان رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر ورجالہ محتج بھم فی الصحیح ورواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب الجوع وغیرہ باسناد حسن والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں روزہ اور قرآن مجید قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے روزہ کہے گا یا اللہ! میں نے اس کو کھانے اور شہوت سے روکا اس کے حق میں میری سفارش قبول کر۔ اور قرآن مجید کہے گا میں نے رات میں نیند سے روکا اس کے حق میں میری سفارش قبول کر۔ پس سفارش قبول کی جائے گی۔

اس حدیث میں روزے کے مقابلہ میں رات کو قرآن مجید کا ذکر اسی قیام کی وجہ سے کیا ہے جس کا اہتمام رمضان میں زیادہ ہوتا ہے۔ پس قرآن مجید کا اہتمام بھی رمضان میں زیادہ ہونا چاہیئے۔

مشکوۃ باب قیام رمضان میں ہے کہ خیر قرون میں امام آٹھ رکعت میں سورہ بقرہ پڑھ جاتا تھا۔ اور اگر بارہ رکعت میں سورہ بقر پڑھتا تو لوگ اس کو بڑی تخفیف سمجھتے۔ اس حساب سے قریباً دو دفعہ قریباً قرآن مجید رمضان میں ختم ہوتا ہے۔ بلکہ کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ سورہ بقر اڑھائی پارہ سے قریباً نصف ربع کم ہے۔ اب اگر ایک ختم نہ کیا جائے تو بتلایئے رمضان کی کیا قدر ہوئی۔

پس کم سے کم ایک ختم ضرور ہونا چاہیئے خواہ پڑھ کر یا سن کر تاکہ روزہ کے ساتھ قرآن مجید بھی سفارش کرے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۶ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ ۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء

تراویح میں سامع کا ثبوت

سوال:۔ امام رمضان میں بوقت سماع قرآن کریم تراویح میں سامع کے ثبوت کی ضرورت ہے بیان فرمائیں

جواب:۔ تراویح میں سامع کے متعلق آپ کو لکھا تھا کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہم دونوں کو اس ہی لئے مقرر کیا تھا کہ ایک قاری اور ایک سامع رہے اور فصل رابع مشکوۃ باب ما علی الماموم میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہری نماز میں ایک آیت چھوڑ گئے۔ ایک شخص کو کہا۔ مجھ سے اس سورۃ میں رہ گیا ہے۔ کہا ایک آیت رہ گئی ہے۔ فرمایا تو نے بتلائی کیوں نہ؟ کہا میں نے خیال کیا کہ منسوخ ہوگئی ہے۔ فرمایا ان قوموں کا کیا حال ہے جن کو پڑھے گئے اور چھوڑے گئے کی خبر نہیں۔ بنی اسرائیل کے دلوں سے اس طرح عظمت الٰہی نکل گئی ان کے بدن حاضر ہوتے دل غائب رہتے اور خدا عمل قبول نہیں کرتا جب تک بدن کے ساتھ دل حاضر ہو۔ اس قسم کی بعض روایتیں اور بھی آئی جو سامع کی ضرورت پر دلالت کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو ابوداؤد مع عون المعبود باب الفتح علی الامام فی الصلوۃ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ ۶ جنوری ۱۹۳۹ء

مسافر کے لئے نماز تراویح

سوال :۔ مسافر کو نماز تراویح معاف ہے یا نہیں، سفر ایسا ہے جس میں وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔

جواب :۔ نماز تراویح نفل ہے جب مسافر کو وہ فرض معاف ہیں تو نفل معاف کیوں نہیں ہوں گے ہاں پڑھ لے تو بہتر ہے۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

۱۵ رجب ۱۳۵۳ھ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۴ء

دُعائے قنوت کا وتر میں ہمیشہ پڑھنا

سوال :۔ دُعائے قنوت کا وتروں میں بوقتِ تہجد ہمیشہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، ایک مولوی صاحب ناجائز کا فتویٰ دیتے ہیں۔؟

محمد یعقوب سپری خطیب جامع اہلحدیث جلالہ ڈاکخانہ ملبی ضلع فیروزپور

جواب :۔ دُعاء قنوت میں مداومت جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سکھائی تاکہ وہ وتروں میں پڑھیں، اور ظاہر ہے کہ وتر ہمیشہ پڑھے جاتے ہیں تو یہ دعاء قنوت بھی ہمیشہ ہوگی۔ بلکہ سنن کبرے بیہقی میں یہ الفاظ ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی صلوٰۃ الصبح و فی وتر اللیل بھولاء الکلمٰت اللھم اھدنی۔ الحدیث (سنن کبری بیہقی جلد ۲)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اور وتر میں دُعاء قنوت پڑھا کرتے تھے۔ یہ الفاظ استمرار اور ہمیشگی کے لئے آتے ہیں۔ پس ہمیشگی ثابت ہوگئی۔ ہاں اس سے صبح کی نماز میں بھی ہمیشگی ثابت ہوتی ہے مگر صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک بھی ثابت ہے اس لئے نماز فجر میں ہمیشگی سے مراد کثرت ہوگی اور وتر میں چونکہ آپ سے ترک ثابت نہیں اس لئے وہاں ہمیشگی اپنے معنی پر رہے گی۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۲۶ جولائی ۱۹۴۰ء

تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔ نماز وتر آخر رات پڑھنا بہتر ہے

سوال :۔ ایک شخص ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح آٹھ رکعت باجماعت پڑھ کر وتر اس نیت سے چھوڑ دیتا ہے کہ آخر رات میں تہجد کے نوافل پڑھ کر بعد میں وتر پڑھوں گا کیا یہ طریقہ مطابق سنت ہے؟ اور ماہ رمضان میں نماز تراویح کے بعد عموماً نماز وتر جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ کیا وتر اس جماعت کے ساتھ پڑھنے بہتر ہیں یا آخر رات میں اکیلے پڑھنا زیادہ ثواب ہے۔

عبدالغفور بن اسماعیل گوجرانوالہ

جواب :۔ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ اول رات میں پڑھیں تو تراویح نام ہوگا آخر رات پڑھیں تو اس کو تہجد کہا جاتا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں باب ما جاء فی قیام شهر رمضان کے تحت ایک طویل روایت ہے۔ اس کا مختصر یہ ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم (صحابہ) نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے۔ آپ نے آخری دہاکے کی تین طاق راتوں میں ہمیں قیام اللیل نماز تراویح پڑھائی۔ پہلی رات اول حصہ میں پڑھائی۔ یہاں تک کہ تہائی رات گذر گئی۔ دوسری رات نصف شب تک پڑھائی۔ ہم نے بقیہ آدھی رات بھی تراویح پڑھانے کے لئے عرض کیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ قیام کیا اس کو پوری رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔

تیسری رات حضورؐ نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا۔ دوسرے لوگ بھی حاضر ہو گئے۔ سب کے ساتھ نماز تراویح پڑھی۔ یہاں تک کہ ہمیں سحری کا وقت گذر جانے کا اندیشہ ہوا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کو رات کے تینوں حصوں میں پڑھا ہے۔ اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے آخر رات تک ہے۔

جب نماز تراویح اخیر رات تک پڑھائی تو پھر بتایئے باقی کونسا وقت رہا جس میں تراویح کے بعد فجر سے پہلے کوئی اور نماز پڑھی ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی رات میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ پس تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص آٹھ رکعت تراویح کے علاوہ رات کے کسی حصہ میں مزید نفل پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے لیکن رات کے اول حصہ میں پڑھی ہوئی اور آخری حصہ میں پڑھی ہوئی ساری نمازوں کو قیام اللیل ہی کہا جائے گا

کیونکہ بعض نے سینتالیس نفل تک پڑھے ہیں اور اہلِ مدینہ چھتیس تک پڑھتے رہے ہیں۔

پہلی رات اور پچھلی رات کی نماز کو الگ الگ شمار کرنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ اور وتر پچھلی رات میں پڑھنا بہتر ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مسئلہ قضاء وتر کی تحقیق

سوال:۔ کسی نے سوال کیا تھا کہ تہجد رہ جائے تو وتر کی قضا ہے یا نہیں۔

ہم نے اس کا یہ جواب دیا کہ مشکوٰۃ باب الوتر صفحہ ۱۱۱ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نیند یا بیماری غالب آجاتی اور قیام اللیل رہ جاتا تو دن کو بارہ رکعت پڑھ لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سمیت اکثر گیارہ رکعت پڑھتے۔ اس لئے دن میں ایک رکعت بڑھا کر پڑھ لیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی ویسے قضا نہیں بلکہ دن میں ایک رکعت بڑھا کر پڑھ لینی چاہیئے۔ اگر ایک وتر پڑھتا ہو تو دن میں اس کی بجائے دو پڑھے اگر تین ہو تو چار پڑھے۔ اگر نو ہوں تو دس پڑھے بس یہی اس کی قضا ہے۔

تعاقب

اس پر مولانا عبدالقادر صاحب حصاری نے تعاقب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

ایک شق تیرہ رکعت کی آپ نے چھوڑ دی کیونکہ تیرہ رکعت وتر کا بھی ثبوت ہے۔

ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا بیان ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اب آپ کے حساب سے دن کو قضا کے طور پر چودہ رکعت پڑھنی چاہیئے۔

جواب تعاقب

مولوی عبدالقادر نے اس تعاقب میں ڈبل غلطی کی ہے وتر کی حد نو تک ہے۔ اس لئے ہم نے نو تک لکھا ہے تیرہ رکعت وتر نہیں بلکہ تہجد سمیت تیرہ ہیں۔ ہمارا فتوے دو حدیثوں پر مبنی ہے۔ پہلی حدیث جو ہم نے مشکوٰۃ کے حوالہ سے لکھی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

وَكَانَ إِذَا غَلَبَهُ نَوْمٌ أَوْ وَجَعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً

یعنی جب کبھی آپ کو کوئی بیماری یا نیند غالب ہو جاتی تو آپ دن کو بارہ رکعت پڑھ لیا کرتے۔

دوسری حدیث یہ ہے۔ امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے باب قيام النبي صلى الله عليه وسلم بالليل

فی رمضان وغیرہ - اس کے تحت جو حدیث بیان کی ہے وہ یہ ہے۔

عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انہ اخبرہ انہ سال عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔

یعنی ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کس طرح ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

مشکوٰۃ والی حدیث میں دو عذروں کا ذکر ہے۔ ایک غلبہ نیند کا۔ دوسرا بیماری کا۔ لیکن مقصد اس سے مجبوری ہے جس کی صورتیں اور بھی ہیں۔ جیسے بھول کر رہ جائے یا امام نہ ہو مقتدی ہو۔ اور اقامت ہوگئی۔ مقتدی کو حکم ہے کہ نماز کے ساتھ شامل ہو جائے وہ وتر نہیں پڑھ سکتا۔ ہاں اگر امام ہو تو وہ پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس کے بغیر نماز کھڑی نہیں ہوتی۔

دوسری حدیث اکثریت پر محمول ہے کیونکہ شاذ و نادر رات کی نماز کم و بیش بھی ہوتی تھی لیکن حضرت عائشہ رضہ نے اس کو اس طرح حصر کے ساتھ بیان کیا جس سے زیادہ کی نفی ہو گئی۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ گیارہ رکعت کے مقابلہ میں دوسری صورتیں کالعدم اور شاذ ہیں۔ اس وجہ سے اہل حدیث نے تراویح کی بنا اس حدیث پر رکھی ہے اور وہ گیارہ رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو گیارہ رکعت کا حکم دیا۔

اعتراض

مولوی عبدالقادر نے پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر رسیدہ ہو گئے تو نو رکعت قیام کرتے اس صورت میں ایک رکعت نہ پڑھی بلکہ تین پڑھیں۔ تب بارہ بنتی ہیں۔ اور جب تیرہ پڑھتے تو ایک رکعت بڑھنے سے چودہ ہو گئیں۔ اور چودہ کا ثبوت بھی کوئی نہیں۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اپنے فتویٰ میں ایک رکعت کا ذکر حضرت عائشہ رضہ کی حدیث کی بنا پر کیا ہے۔ اور حصر کے ساتھ لکھا ہے بس یہی تقاضا ہے۔ جیسے حضرت عائشہ رضہ کی حدیث میں حصر ہے۔ باقی نو اور تیرہ اس پر محمول ہیں کیونکہ جب گیارہ کا حکم معلوم ہو گیا کہ وہاں ایک رکعت کی زیادتی ہے تو شاذ صورتوں کو بھی اس طرح سمجھ لینا

چاہیئے یعنی ان میں بھی ایک رکعت کی زیادتی ہوگئی ۔

دوسرا اعتراض

دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی قضا صبح کی نماز سے پہلے دے لیتے ہوں اور یہ بارہ رکعت تہجد کی قضا ہو کر قیام اللیل بارہ رکعت بغیر وتر کے ثابت ہے جو وتر ایک ملانے سے تیرہ بن جاتی ہیں ۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا ارشاد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اللیل رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعت ہوتا تھا اس کو چھوڑ کر حضرت عائشہ رضی کی مشکوٰۃ والی حدیث شاذ صورت تیرہ مراد لینا جس کو حضرت عائشہؓ نے کالعدم قرار دے کر فرمایا ہے کہ گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے یہ کس قدر کمزوری ہے اس لئے ہم نے اپنے فتویٰ کی بنا گیارہ پر ہی رکھی ہے ۔

علاوہ ازیں مولوی عبدالقادر نے سائل کے سوال اور ہمارے فتویٰ پر غور نہیں کیا ۔

سائل کا سوال یہ ہے ۔

جب وتر رہ جائیں تو اس وقت وتروں کا کیا حکم ہے

مشکوٰۃ کی جو حدیث ہم نے پیش کی ہے وہ نیند اور بیماری پر بند نہیں بلکہ مقصد اس کا مجبوری کی حالت بیان کرنا ہے جیسے ابھی بیان ہوا ہے ۔ امام تو جماعت سے پہلے پڑھ سکتا ہے لیکن مقتدی کیا کرے ؟ وہ تو اقامت نماز کے بعد مجبور ہے ۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پڑھ لیتے ہوں یہ مشکوٰۃ کی حدیث کے مقصد کے خلاف ہے ۔

تیسرا اعتراض

تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ :-

ہو سکتا ہے کہ بارہ رکعت جو دن کو پڑھی گئی ہیں ۔ ان میں سے آٹھ رکعت تہجد کی ہوں اور چار رکعت صلوٰۃ الضحیٰ ہو ۔

جواب

یہ اعتراض جواب کا محتاج نہیں ۔ مشکوٰۃ کی حدیث کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس میں بارہ رکعت کو قیام اللیل کے قائم مقام بنایا ہے جس کے متعلق حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ گیارہ رکعت سے زیادہ قیام نہیں

ہوتا تھا۔ اب یہ تقسیم تہجد اور صلوٰۃ الضحٰی کی محض فرض ہے۔

چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ

شاید یہ بارہ رکعت نماز ضحٰی کی ہوں اور اس کو قائم مقام قیام اللیل کر دیا ہو۔

جواب

یہ اعتراض بھی تیسرے اعتراض کی قسم ہے جو محض فرضی ہے۔ ایک نماز کو دوسری نماز کے قائمقام بغیر دلیل کے نہیں کیا جاتا۔ قرآن و حدیث میں کہیں یہ ذکر نہیں۔ اور نہ کسی کا مذہب ہے کہ صلوٰۃ الضحٰی قیام اللیل کے قائم مقام ہے۔

مولوی عبدالقادر نے اس مقام پر ایک حدیث نقل کی ہے اس کا حال بھی سن لیجئے الفاظ یہ ہیں۔

اربع رکعات قبل الظہر بعد الزوال تحسبن بمثلھن من السحر۔

یعنی زوال کے بعد نماز ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھنا سحری کی نماز کے برابر درجہ رکھتی ہیں۔

اس حدیث سے مراد ثواب ہے جیسے حدیث میں ہے کہ رمضان میں عمرہ حج کا درجہ رکھتا ہے یا مسجد قباء میں نماز پڑھنا عمرہ کا درجہ رکھتا ہے۔ ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں کہ حج عمرہ ادا ہو جاتا ہے۔ بلکہ نفس ثواب مطلب ہے پھر اس حدیث میں چار رکعت ظہر سے پہلے کا ذکر ہے کہ وہ سحری کی نماز کا درجہ رکھتی ہیں۔ نماز ضحٰی کے متعلق تو کوئی حدیث نہیں آئی کہ وہ قیام اللیل کے قائم مقام ہے یہ محض آپ کا مفروضہ ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے حدیث کا مطلب غلط بیان کیا ہے۔ آپ نے مطلق کہا ہے کہ سحری کی نماز کا درجہ رکھتی ہیں جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ساری کی ساری نماز ان چار رکعت سے الگ ہے۔ اور وہ وہی قیام اللیل ہے جو کم سے کم سات رکعت ہوتی ہیں۔

حالانکہ یہ مطلب صحیح نہیں بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ نماز ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھنا ایسا ہے جیسے یہ چار رکعت سحری کے وقت پڑھی جائیں۔

گویا قیام اللیل سے یہاں کچھ مطلب ہی نہیں بلکہ صرف یہ بتانا مقصد ہے کہ زوال کے بعد کا وقت چار رکعت کے حق میں ایسا ہی فضیلت والا ہے جیسا سحری کا وقت۔

اس کے علاوہ بخاری باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صلوٰۃ اللیل والنوافل من غیر ایجاب میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ضحٰی لعبض دفعہ

نہیں پڑھی۔ پس مولوی عبدالقادر صاحب کے تیسرے چوتھے اعتراض کی جڑ بھی کٹ گئی۔

باقی جس کسی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ضحیٰ کا ذکر آیا ہے تو وہ بھی ہے جیسے فتح مکہ میں پڑھی اس کا سبب ادائیگی شکر تھا اور سفر سے عموماً مدینہ منورہ میں ضحیٰ کے وقت واپس تشریف لاتے اور پہلے مسجد میں داخل ہوتے تو وہ نماز تحیۃ المسجد ہوتی۔

پانچواں اعتراض

یہ کیا ہے کہ ایک رکعت بڑھا کر پڑھنا یہ بیاج ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ بیاج نہیں لیتا کہ اس نے اس کو اپنے بندوں پر حرام کر دیا ہے۔

جواب

بیاج میں دستور ہے کہ وہ ضرور لیا جاتا ہے۔ سود اور بیاج قرضوں میں ہو سکتا ہے۔ نفل میں بیاج نہیں کیونکہ حدیث میں ہے اَلْمُتَطَوِّعُ اَمِیْرُ نَفْسِہٖ یعنی نفل والا اپنے نفس کا امیر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے اونٹ خریدا تو اس کی قیمت سے زیادہ دے دیا (بخاری)

مولوی عبدالقادر صاحب نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے پو پھٹنے کے بعد وتر کی قضا ثابت ہے۔ باقی قسطوں میں بھی اس کا ذکر کیا ہے مگر تیسری قسط میں اس پر خصوصیت سے زیادہ زور دیا ہے گیارہ دلائل بالتفصیل ذکر کئے ہیں۔

لیکن اس بات پر زور دینا فضول ہے ہم پہلے ہی سے اس کے قائل ہیں۔

یہاں جس چیز کی بحث ہے وہ قضاء وتر بعد نماز فجر ہے یعنی نماز فجر سے پہلے وتروں کی قضائی کا کوئی جھگڑا نہیں جو کچھ جھگڑا ہے وہ نماز فجر کے بعد ہے۔

تعارضات

پہلی قسط میں مولوی عبدالقادر صاحب نے قضاء وتر پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

من نام عن صلوۃ او نسیھا فلیصل اذا ذکرھا۔

یعنی جو شخص اپنی نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو پڑھے جب کہ یاد آئے۔

دوسری قسط میں قضاء وتر کے ثبوت کے لئے بلوغ المرام سے ابوسعید خدری رضؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من نام عن الوتر او نسیہ فلیصل اذا اصبح او ذکر

یعنی جو شخص سو گیا یا بھول گیا اور اس کے وتر رہ گئے تو وہ صبح کرے یا جب یاد کرے پڑھ لے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نماز فجر کے بعد بھی قضاء وتر ہے۔

تیسری قسط میں لکھا ہے۔

جس شخص کا قیام اللیل رہ جائے وہ دن میں بارہ نفل پڑھے یہ قضا نہیں ہے بلکہ دن کی عبادت ہے جو رات کو نہ کر سکا تو دن کو کرلی اس کو وتر کی قضا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قضا صبح کی نماز تک ہے۔

اس قسط کے آخر میں لکھا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وتر کی قضا تو صبح تک ہے لیکن تاہم رات کی عبادت کا تدارک کرنا چاہیے تو دن کو بارہ نفل پڑھ لے مگر اس کو وتر کی قضا نہ سمجھے۔

مولوی عبدالقادر کی پہلی اور دوسری قسط کی عبارتوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ وتر کی قضا صبح کی نماز کے بعد بھی ہے۔ اور تیسری قسط کی دونوں عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد وتر کی قضا نہیں۔

اگر مولوی عبدالقادر کہیں کہ میری مراد یہ ہے کہ جو دیدہ دانستہ صبح سے پہلے وتر نہ پڑھے اس کے لئے بعد از نماز صبح قضا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیدہ دانستہ چھوڑنے والے پر تو نماز صبح سے پہلے بھی قضا نہیں چنانچہ قسط ۲ صفحہ ۵ کالم ۳ میں بلوغ المرام کی حدیث لکھی ہے۔

من ادرک الصبح ولم یوتر فلا وتر لہ

یعنی جس نے دیدہ دانستہ وتر نہیں پڑھے اور صبح ہو گئی اس کے لئے کوئی وتر نہیں

پھر آپ کا اس بات پر زور دینا کہ دیدہ دانستہ وتر چھوڑنے والے پر صبح کی نماز کے بعد قضا نہیں۔ یہ سب بحث فضول ہو گئی۔

نوٹ۔ ابن تیمیہؒ نے منتقی مع نیل الاوطار جلد ثالث میں باب باندھا ہے باب قضاء ما یفوت من الوتر والسنن والاتباع والاوراد۔ یعنی باب ہے وتر اور سنتوں اور وظائف کی قضاء کا۔ اس میں یہ حدیث لائے ہیں جو ہم نے اپنے فتویٰ میں نقل کی ہے۔

کان اذا منعہ من قیام اللیل نوم او وجع صلی من النہار ثنتی عشرۃ رکعۃ

یعنی حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام اللیل سے نیند یا بیماری روکتی

تو دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے۔

اس باب میں اس حدیث کا لانا دلیل ہے کہ یہ بارہ رکعت قیام اللیل کی قضا ہے اور قیام اللیل میں وتر بھی داخل ہے۔ چنانچہ بخاری میں حضرت عائشہ رضہ کی گیارہ رکعت والی حدیث پر باب باندھا ہے۔

باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ

اس باب سے ثابت ہوا کہ گیارہ رکعت قیام اللیل ہے۔ پس ہم پر یہ اعتراض نہ رہا کہ بارہ رکعت کی قضا کہنا کسی کا مذہب نہیں۔ محدثین کی عبارتوں سے اس کو قضا کہنا ثابت ہو گیا جس کی صورت یہی ہے کہ ایک رکعت بڑھا کر پڑھی جائے۔

تعارض دوم

ہم نے جو اپنے فتوے میں لکھا ہے کہ وتر کی ویسے قضا نہیں بلکہ دن میں ایک رکعت بڑھا کر پڑھ لینی چاہیئے اس پر مولوی عبدالقادر صاحب دوسری قسط کالم ۲ میں لکھتے ہیں کہ "یہ بعید ہے کیونکہ دیگر حدیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالے بیاج نہیں لیتا کہ اس نے اس کو اپنے بندوں پر حرام کر دیا ہے۔ قضا ہمیشہ مثل ادا ہوتی ہے زائد کا دستور نہیں" اور پہلی قسط کالم دوم میں آپ لکھتے ہیں "وتر کی قضا آپ صبح کی نماز سے پہلے دے لیتے ہوں اور یہ بارہ رکعت تہجد کی قضا ہو کہ قیام اللیل بارہ رکعت بغیر وتر کے ثابت ہے کہ وتر ایک رکعت ملانے سے تیرہ رکعت بن جاتی ہیں جن کا ثبوت موجود ہے۔ اس عبارت میں زائد رکعت کو بیاج قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ قضا مثل ہوتی ہے اور دوسری عبارت میں مشکوٰۃ والی حدیث کو تیرہ رکعت پر محمول کیا ہے۔

اب ایک اور حدیث سنیئے۔

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل ثلث عشرة ركعة يوتر من ذالك بخمس لا يجلس في شئ الا في اخرها متفق عليه

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ رسول اللہ تیرہ رکعت پڑھتے ان سے پانچ وتر پڑھتے۔ ان میں کسی جگہ نہ بیٹھتے مگر آخر میں اس بنا پر بیاج ہو گیا کیونکہ وتر پانچ ہو گئے اور آٹھ رکعت کی قضا بارہ ہوئی اور اگر وتر بھی بیچ میں قضا مان لیں، ایک تو قضا مثل نہ ہوئی بلکہ شفع ہوئی۔ دوم دن میں وتر کی قضا ثابت ہو گی حالانکہ آپ انکار کرتے ہیں۔

تعارض سوم :- فتوے میں جو مشکوٰۃ کے حوالہ سے حدیث ذکر ہوئی ہے اس پر مولوی عبدالقادر صاحب

قسط اوّل کالم دوم میں لکھتے ہیں۔ یہ مبہم ہے جس میں کئی احتمال ہیں۔ اور قسط دوم کالم دوم اور تین میں لکھتے ہیں کہ یہ مطلق ہے جس میں بھی احتمال ہیں۔

مبہم وہ ہوتا ہے جس کی مراد کا پتہ نہ لگے۔ اور وہ تفسیر کا محتاج ہوتا ہے جیسے جاءنی رجل ای زید (یعنی ایک شخص آیا ہے) اس سے پتہ نہیں چلا کہ وہ کون ہے زید ہے یا عمرو یا بکر ای زید (یعنی زید) اس کی تفسیر ہوگی اور ابہام دور ہو گیا۔ مطلق وہ ہوتا ہے جس کا معنی واضح ہو۔ اور اس کے متعلق اصول یہ ہے المطلق یجری علیٰ اطلاقہ یعنی مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے جیسے آپ نے مشکوٰۃ کے حوالے سے قسط دوم کالم تین میں یہ حدیث ذکر کی ہے من نام عن الوتر فلیصل اذا اصبح۔ یعنی جو سو گیا اور وتر نہ پڑھ سکا تو اس کو چاہیے کہ صبح کو وتر پڑھے۔ اس حدیث میں وتر مطلق ہے خواہ ایک ہو یا تین یا پانچ یا سات یا نو۔ کوئی معین نہیں جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔ آپ کے نزدیک جب قیام اللیل مطلق ہے تو اس کو اپنے اطلاق پر رکھنا چاہیے۔ اس کے لئے صورتیں پیدا کرنا اطلاق کے خلاف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا قیام خواہ نو رکعت ہو یا گیارہ رکعت یا تیرہ رکعت ہو۔ جب رہ جاتا تو اس کا تدارک یوں کرتے کہ دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے۔ رہا یہ کہ اس کا نام کیا رکھیں قضاء یا کچھ اور تو یہ لفظی بحث ہے جو اہل علم کی شان نہیں۔ مقصد عمل ہے اور ہم نے تو ابن تیمیہؒ (صاحب منتقیٰ) کے باب باندھنے سے اس کا قضاء ہونا بھی ثابت کر دیا ہے۔ پس لفظی بحث بھی نہ رہی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

اصل بات یہ ہے کہ مولوی عبدالقادر نے غور اور تدبر سے کام نہیں لیا اور قلم برداشتہ لکھتے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے کلام میں تعارضات پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ کئی جگہ معنی اور مطلب بھی صحیح بیان نہ کر سکے دیکھئے چار رکعت زوال کے بعد کی حدیث کا مطلب غلط بیان کیا۔ چنانچہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے اور قسط ۳ صفحہ ۹ کالم ۲ میں دارقطنی کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث ذکر کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فاتہ الوتر من اللیل فلیقضہ من الغد۔

اس حدیث میں دو راوی ضعیف ہیں۔ ایک ابو عاصم رداد اور دوسرا اُس کا استاد نائل بن سعید بصری۔ پہلے کے متعلق مغنی حاشیہ دارقطنی میں ہے کہ اس میں ضعف ہے اور دُوسرے کے متعلق مغنی میں ہے کہ اسحاق بن راہویہ اس کو کذاب کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ اور نسائی کہتے ہیں۔ متروک ہے یحییٰ اور دارقطنی نے اس کو ضعیف کیا ہے (دارقطنی مع مغنی ص۱۷۱) اس کا ترجمہ یوں کیا ہے وہ جس کا وتر فوت ہو جائے وہ

صبح اس کی قضاء دے حالانکہ غد کے معنی کل (آئندہ) کے ہیں نہ کہ صبح کے۔ اور عبداللہؓ بن عمرؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔ زوال تک وتر کی قضاء کے قائل ہیں۔ اور کئی بڑے بڑے تابعین کا بھی یہی مذہب ہے جیسے شعبیؒ عطاءؒ حسنؒ البصریؒ طاؤسؒ مجاہدؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ ملاحظہ ہو۔ نیل الاوطار ۳ باب قضاء ما یفوت من الوتر صفحہ ۱۹۔ خیال فرمایئے۔ ایک طرف تو مولوی عبدالقادر صاحب دن میں وتر کی قضاء سے انکار کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ حدیث نقل کر رہے ہیں جس سے دن میں وتر کی قضاء ثابت ہوتی ہے لیکن سمجھتے نہیں۔ اسی طرح قسط ۳ صفحہ ۱ کالم ۲ میں موطا امام مالکؒ باب الوتر بعد طلوع الصبح کے حوالے سے مولوی عبدالقادر صاحب کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ سو گئے۔ جب نیند سے بیدار ہوئے تو پوچھا کہ لوگ کیا کر رہے ہیں (خود وہ نابینا تھا) خادم نے کہا لوگ نماز سے فارغ ہو چکے ہیں۔ پس ابن عباسؓ نے پہلے وتر پڑھے۔ پھر نماز پڑھی اور عبادہ بن صامت قوم کے امام تھے۔ ایک دن صبح کے بعد گھر سے نکلے، موذن اقامت کہنے لگا۔ اُس کو خاموش کر دیا۔ اور خود وتر پڑھنے لگے۔ اس کے بعد لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ ان کے علاوہ قاسم بن محمد اور عبداللہ بن عامر سے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے بعد فجر وتر پڑھے۔ ان افعال سلف کے بعد امام مالکؒ فیصلہ فرماتے ہیں کہ:۔

انما یوتر بعد الفجر من نام عن الوتر ولا ینبغی لاحد ان یتعمد ذالک حتی یضع وترہ بعد الفجر۔

اس عبارت کا معنی مولوی عبدالقادر صاحب یُوں کرتے ہیں۔

فجر کے بعد وتر اُس شخص کے لئے جائز ہے جو سو گیا ہو۔ پھر بیدار ہوا۔ جو اختیاری طور پر عمداً ایسا کرے اُس کے لئے جائز نہیں۔

لیکن یہ معنی صحیح نہیں۔ صحیح یُوں ہے۔

کہ فجر (پَوہ پھٹنے) کے بعد صرف وہ شخص وتر پڑھے جس کا وتر سونے کی وجہ سے رہ گیا ہو۔ اور کسی شخص کو یہ لائق نہیں کہ وہ فجر کے بعد وتر پڑھنے کا قصد کرے۔ یہاں تک کہ وہ وتر کو (رات سے ہٹا کر) فجر کے بعد رکھ دے۔

ابن عباسؓ اور عبادہ بن صامتؓ وغیرہ کے عمل سے چونکہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ بعد صبح وتر کا وقت ہے۔ اس غلطی میں مبتلا ہو کر ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص رات کو وتر چھوڑ کر اس وقت پڑھنے کا قصد رکھے۔ امام مالکؒ اس عبارت سے اس غلطی کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایسا قصد نہ کرے کیونکہ وتر کی ادائیگی کا وقت [illegible] نہیں رہا یہ کہ مسئلہ کی ماورتعی

سے کسی نے رات کو وتر نہیں پڑھا یا مسئلہ سے واقف تھا کہ یہ وتر کا وقت نہیں ہے مگر سُستی سے رات کو اس سے وتر رہ گیا تو کیا اُس وقت قضاء کر سکتا ہے یا نہیں یہ علیحدہ مسئلہ ہے۔ اس عبارت سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی سُستی سے فرض نماز نہ پڑھے تو کیا وہ اُس کی قضاء دے یا صرف توبہ ہی کافی ہے۔ منتقیٰ میں اس پر باب باندھا ہے۔ اسی طرح روزہ وغیرہ کا حکم ہے۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ کسی قوم کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد سنتیں رہ گئیں پھر عصر کے بعد ان کی قضاء دی جیسے یہ سب مسائل اپنی اپنی جگہ علیحدہ ہیں اسی طرح وتر کا یہ مسئلہ علیحدہ ہے۔

امام مالکؒ اس عبارت میں اس کا بیان نہیں کر رہے بلکہ وتر کا اصل وقت بتا رہے ہیں۔ مولوی عبدالقادر صاحب نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ اس مسئلہ کا بیان ہو رہا ہے۔ پھر امام مالکؒ کا یہ مذہب بھی نہیں کہ ایسا قصد کرنے والا شخص فجر کے بعد وتر نہ پڑھے۔ بلکہ پڑھے مگر کامل نہیں ہوگا ناقص ہوگا۔ کیونکہ ایسے شخص کے لئے یہ وقت مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو زرقانی ج ا صفحہ

اللہ تعالےٰ غور و تدبر کی توفیق بخشے اور خامیاں دُور کرے۔ اس قسم کی بعض خامیاں اس مضمون میں اور بھی ہیں مگر ہمارا مقصد تنبیہ ہے۔ استقصاء نہیں۔ اس لئے اس پر اکتفا کی جاتی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

« عبداللہ امرتسری روپڑی

تراویح اصل آٹھ ہیں بیس نہیں۔ اور حنفیہ کے اٹھارہ دلائل کا جواب

سوال :۔ مہربانی اور شفقت فرما کر مندرجہ حدیثوں کا جواب دیں۔ کیا واقعی ان حدیثوں سے بیس رکعت تراویح ثابت ہوتی ہیں۔

دلائل

۱۔ کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ (موطا امام مالک)

« لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ۲۳ رکعتیں تراویح پڑھتے تھے » بیس تراویح اور تین وتر

۲۔ سائب بن یزید سے روایت ہے۔

كنا نقوم في عهد عمر بعشرين ركعة (بیہقی فی کتاب المعرفة باسناد صحیح)
ہم حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔
۳۔ ابن ابی شیبہ وکیع سے اور وہ مالک بن انسؒ سے وہ یحییٰ بن سعید سے اور وہ عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے
امر رجلا یصلی بهم عشرين ركعة۔ ایک آدمی کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا (ابن ابی شیبہ)
۴۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔
ان النبي هكذا صلى ها وهي عشرون ركعة۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح اس نماز کو پڑھا ہے اور وہ بیس رکعتیں ہیں (غنیۃ الطالبین)
۵۔ تراویح ترویحہ کی جمع ہے۔ عربی کی جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے اگر اس نماز کی آٹھ رکعت ہوتیں تو اس کا نام تراویح نہ ہوتا بلکہ ترویحہ ہوتا۔ کیونکہ چار رکعت کے بعد ایک ترویحہ اور آٹھ پر معاملہ ختم۔ پس اس نماز کا نام تراویح ہی بتا رہا ہے کہ اس کی رکعتیں آٹھ نہیں بلکہ زیادہ ہیں اور وہ بیس ہیں۔
۶۔ حضرت ابن عباسؓ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیس تراویح پڑھتے تھے (ابن ابی شیبہ۔ طبرانی بیہقی) اس حدیث میں ابی شیبہ راوی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے لہٰذا یہ حدیث قابلِ استدلال نہیں۔ جواب یہ ہے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ابراهيم بن عثمان ابو شيبة الحافظ۔ کہ ابو شیبہ حافظ حدیث ہے۔
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ " ابو شیبہ کا حال اس قدر ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو چھوڑ دیا جائے۔ (رسالہ تراویح)
ابن عدی کہتے ہیں کہ ابو شیبہ کی حدیثیں بہت اچھی ہیں نقل کیا اس کو حافظ نے تہذیب الکمال میں۔
۷۔ كان ابي ابن كعب يصلي بالناس بالمدينة عشرين ركعة (ابن ابي شيبة)
ابن ابی کعب مدینہ میں بیس تراویح پڑھاتے تھے۔
۸۔ كان يؤمنا سويد بن غفلة في رمضان فيصلي خمس ترويحات عشرين ركعة (بیہقی)
حضرت ابوخصیب کہتے ہیں کہ سوید بن غفلہ رمضان میں ہمارے امام ہوتے تھے۔ اور پانچ ترویحوں سے ہم کو بیس تراویح پڑھاتے تھے۔
۹۔ ابن ابی شیبہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت تراویح

پڑھتے تھے۔ اشعۃ اللمعات ۔عبدالحق محدث دہلوی)

۱۰۔ کان ابی بن کعب یصلی بالناس بالمدینۃ عشرین رکعۃ (ابن ابی شیبہ)

حضرت ابی ابن کعب مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

۱۱۔ ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ (بیہقی)

حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحوں کے ساتھ بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

۱۲۔ کان عبداللہ بن مسعود یصلی عشرین رکعۃ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

۱۳۔ حضرت شبر م حضرت علی کے ساتھیوں سے ہیں وہ رمضان میں امامت کرتے تھے۔ فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ (بیہقی) اور پانچ ترویحوں سے ۲۰ رکعت تراویح پڑھاتے۔

۱۴۔ ابو عبدالرحمان سے روایت ہے۔

ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر (بیہقی)

حضرت علیؓ نے قاریوں کو رمضان میں بلایا۔ اور ایک قاری کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے اور وتر حضرت علیؓ خود پڑھاتے۔

۱۵۔ ترمذی شریف میں ہے اکثر اہل علم کا مذہب حضرت علیؓ ۔حضرت عمرؓ اور دیگر اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کے مطابق تراویح بیس رکعت ہیں، امام سفیان ثوری ۔عبداللہ بن مبارک ۔ امام شافعی بھی بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (ترمذی)

۱۶۔ امام عبدالبر فرماتے ہیں۔

وھو قول جمھور العلماء (بیس رکعت تراویح جمہور علماء کا قول ہے)

اہل کوفہ اور امام شافعی اور اکثر فقہاء بیس کے قائل ہیں۔

ابی ابن کعب کہتے ہیں۔ اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

۱۷۔ حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

فصار اجماعا کما روی البیھقی باسناد صحیح انھم کانوا یقومون علی عھد

عمر بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى (شرح وقایہ)

"بیہقی کی اس صحیح حدیث پر سب کا اجماع ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔"

۱۸۔ مولانا عبدالحی حنفی امام ابن حجرؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔

اجماع الصحابة على ان التراويح عشرون ركعة۔

صحابہؓ کا اس پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں (مجموعہ فتاوی تحفۃ الاخیار)

سائل چوہدری عبدالماجد میراں اسٹریٹ۔ سیالکوٹ شہر

الجواب

۱۔ مؤطا امام مالک سے آپ نے جو ۲۳ رکعت والی روایت ذکر کی ہے اس میں لوگوں کے ۲۳ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور اسی جگہ مؤطا امام مالک میں گیارہ رکعت پڑھنے والی حدیث ہے جس میں یہ لفظ ہیں۔ أمر عمر کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ کا حکم دیا۔ اب خود ہی سمجھ لیں کہ ترجیح حکم کو ہے یا لوگوں کے پڑھنے کو۔

علاوہ ازیں سعید بن منصورؒ نے نقل کیا ہے، سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں۔

كنا نقوم فى زمان عمر بن الخطاب باحدى عشرة ركعة

یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے۔

امام سیوطیؒ رسالہ تراویح میں لکھتے ہیں۔

اسناده فى غاية الصحة ۔ یعنی اس کی اسناد اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

فتح الباری ج ۴ ص۲۰۴ میں بھی یہی سعید بن منصورؒ کی روایت ذکر کی ہے۔ پس پہلی روایت سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگوں کے گیارہ پڑھنے کا ثبوت ہوا۔

علامہ ابن الہمام حنفیہ کے بہت بڑے امام اور مجتہد ہیں۔ فتح القدیر ج ص۱۹۸ میں فرماتے ہیں کہ۔

"اصل سنت آٹھ رکعت ہی ہیں۔ باقی زائد نفل ہیں۔"

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فتح سر المنان ص۳۲۷ میں لکھا ہے۔ صاحب بحر الرائق شرح کنز الدقائق (فقہ کی کتاب)، اور علامہ طحطاوی حنفی نے بھی اسی طرح لکھا ہے (تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ "امتیازی مسائل" ص۴۲ ملاحظہ ہو) اور زائد نوافل اصل تراویح سے مل کر بیس سے کم و بیش بھی آئے ہیں چنانچہ علامہ عینی حنفیؒ

شرح بخاری جزء ۵ صفحہ ۴۳ میں لکھتے ہیں کہ تراویح کے عدد میں علماء کا اختلاف ہے۔

۱۔ بعض ۴۷ کے قائل ہیں ۲۔ بعض ۴۱ کے۔ اہل مدینہ کا اسی پر عمل ہے ۳۔ بعض ۳۹ کے۔ ۳۶ رکعت اور تین وتر یا ۳۸ رکعت اور ایک وتر۔ یہ بھی اہل مدینہ کا ہی عمل ہے (۴) بعض ۳۴ کے اور (۵) بعض ۲۸ (۶) بعض ۲۴ (۷) بعض ۲۰ (۸) بعض ۱۶ (۹) اور بعض ۱۳ کے قائل ہیں۔ اور گیارہ کے متعلق اختلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت عائشہ رض کی حدیث متفق علیہ میں آگیا ہے اور اس کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں۔ اسی طرح فتح الباری جلد ۴ ص ۲۰۴ و ص ۲۰۵ میں آثار کا ذکر ہے۔ فتح الباری میں امام مالک سے ۳۶ نفل اور تین وتر اور ۳۸ نفل اور ایک وتر بھی نقل کئے ہیں۔

۲ اور دوسری روایت کی سند میں ابو عثمان البصری عمرو بن عبداللہ ہے۔ اس کے متعلق مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی رح کے شاگرد شوق نیموی لکھتے ہیں۔ اس کا حال معلوم نہیں پس یہ مجہول ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باپ کے نام میں غلطی ہو گئی ہے صحیح نام عبید ہے کیونکہ کتب اسماء الرجال میں ابو عثمانی البصری عمرو بن عبید ہے نیز لکھا ہے کہ جھوٹ سے متہم ہے پس یہ روایت بالکل ردی ہو گی۔

۳ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ یحییٰ بن سعید نے حضرت عمر رض کا زمانہ نہیں پایا۔ پس یہ روایت ضعیف ہے ضعیف فی نفسہ حجت نہیں تو صحیح کے مقابلہ میں اس کا کیا اعتبار۔؟

۴ غنیۃ الطالبین کی عبارت وھی عشرون رکعۃ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ یہ غنیۃ الطالبین والے کی اپنی عبارت ہے۔ رہی یہ بات کہ صاحب غنیۃ الطالبین رح نے بیس کی تعداد کس حدیث سے لی ہے وہ اول نمبر کی ہو گی یا نمبر ۳ کی۔ اگر نمبر اول والی یا نمبر ۳ ہو تو اُن کا جواب ہو چکا۔ اور اگر نمبر ۴ والی ہو گی تو اس کا جواب آتا ہے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ صاحب غنیہ کا مذہب دلیل ہے تو وہ رفع الیدین اور آمین وغیرہ کے بھی قائل ہیں حنفیہ کو بھی یہ مذہب قبول کرنا پڑے گا اور فاتحہ کی فرضیت کے بھی قائل ہیں اور یہ بھی حنفیہ کو ماننا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اور باتوں میں بھی موافقت کرنی پڑے گی۔

۵ کسی حدیث میں تراویح کا نام نہیں آیا۔ یہ نام پچھلے لوگوں کا رکھا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین قیام رمضان کا باب باندھتے ہیں۔ اور امام بخاری نے بھی فضل من قام رمضان کا باب باندھا ہے اور ایک نسخہ میں تراویح کا باب بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نسخے والے نے بعد کو مشہور ہونے کی وجہ سے یہ عنوان باندھ دیا ہو یا بخاری رح نے ہی باندھا ہو کیونکہ ان کے زمانہ میں اس نام کی بھی شہرت ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ بھی جماعت ہے چنانچہ بخاری نے باب باندھا ہے۔ اثنان فما فوقھما جماعۃ۔ اور یہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث کے الفاظ ہیں

تنبیہ - حافظ ابن حجر کی کتاب تہذیب الکمال نہیں بلکہ تہذیب التہذیب ہے اور ابن عدی سے جو کچھ نقل کیا ہے اُس کے متعلق حافظ ابن حجر نے ہی فتح الباری میں فیصلہ کر دیا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

۷ ابی بن کعب سے ترمذی نے اٹھ رکعت بھی نقل کی ہیں جیسے یہ زائد ہیں۔ اسی طرح میں سمجھ لیں باقی حضرت عمرؓ نے جو کچھ حضرت ابی اور تمیم داری کو حکم دیا وہ گیارہ ہی ہیں۔

پہلا نمبر ملاحظہ فرمائیے۔

۸ سوید بن غفلہ صحابی نہیں تابعی ہیں اور تابعین بلکہ صحابہ کے اور بھی کئی آثار ہیں۔ ایسے موقع پر فیصلہ مرفوع حدیث سے ہوتا ہے سو مرفوع حدیث سے آٹھ ہی رکعت ثابت ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ثانی باب الجمعہ فی المدن والقریٰ ص۳۰۳ میں لکھتے ہیں۔

فلما اختلف الصحابة وجب الرجوع الى المرفوع

پس جب صحابہ کا اختلاف ہو تو مرفوع حدیث کی طرف رجوع کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

۹ اور اشعۃ اللمعات کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب نمبر اول میں گذر چکا ہے کہ فتح سرالمنان میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ اصل تراویح آٹھ ہی ہیں باقی زوائد و نوافل ہیں۔

۱۰ اس کا جواب نمبر اول اور نمبر ۲ میں بھی گذر چکا ہے۔

۱۱ اس کی سند میں ایک راوی ابوالحسنا ہے جس کے متعلق مولانا عبدالحی لکھنوی کے شاگرد شوق نیموی آثار السنن میں لکھتے ہیں۔ لا یعرف اس کا حال معلوم نہیں۔ اور تقریب میں لکھا ہے کہ مجہول ہے۔ اور بیہقی نے حضرت علی کا ایک اور اثر روایت کیا ہے اس میں حماد بن شعیب ہے جو سخت ضعیف ہے

شوق نیموی بحوالہ میزان الاعتدال لکھتے ہیں۔

ضعفه ابن معين وغيره وقال يحيى مرة لا يكتب حديثه وقال البخاري فيه نظر وقال النسائي ضعيف وقال ابن عدي اكثر حديثه مما لا يتابع عليه

یعنی یحییٰ بن معین ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور ایک مرتبہ یحییٰ ؒ نے کہا اس کی حدیث لکھنے کے قابل نہیں اور بخاری نے کہا اس میں نظر ہے اور نسائی نے کہا ضعیف ہے اور ابن عدی نے کہا اس کی اکثر احادیث میں متابعت نہیں کی جاتی ؒ

اور شیخ ابن الہمام تحریر کرتے ہیں۔

اذا قال البخاری للرجل فیہ نظر فحدیثہ لا یحتج بہ ولا یستشھد بہ ولا یصلح للاعتبار۔

یعنی جب امام بخاریؒ راوی کے حق میں فیہ نظر کہہ دیں تو اس کی حدیث سے نہ استدلال پکڑا جا سکتا ہے نہ دوسری روایت کی شاہد ہو سکتی ہے نہ وہ متابعت کا کام دے سکتی ہے ؟

۱۲ اس کے راوی اعمش ہیں جو عبداللہ ابن مسعود سے بیان کرتے ہیں۔ اعمش نے عبداللہ بن مسعود کو نہیں پایا ہے پس یہ روایت منقطع ہوئی۔ اور منقطع ضعیف ہوتی ہے۔

۱۳ شبیر مرآپ نے غلط لکھا ہے صحیح شتیر بن شکل ہے۔ شتیر یہ تابعی ہیں۔ جس کا ذکر نمبر ۹ میں گذر چکا ہے۔

۱۴ یہ وہی روایت ہے جس میں حماد بن شعیب ہے اس کا ذکر نمبر ۱ میں گذر چکا ہے۔

۱۵ ترمذی کی عبارت میں رُوی کا لفظ ہے جس سے امام ترمذی کا اشارہ ان کے ضعف کی طرف ہے چنانچہ اُوپر ضعف بیان ہو چکا ہے باقی دیگر ائمہ کے اقوال مختلف ہیں۔ چنانچہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے اور ترمذی میں بھی اُوپر اقوال نقل ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ابی اور امام اسحاق سے ام روایت کی ہیں۔ اور امام احمد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کوئی فیصلہ ہی نہیں کیا (جتنی چاہے پڑھے)

۱۶ جمہور علماء کوئی دلیل نہیں۔ فقہاء کے نزدیک کل دلیلیں چار ہیں۔ کتاب وسنّت، اجماع اور قیاس اور اہل حدیث کے نزدیک قیاس میں کلام ہے۔ پس جمہور کا عمل بس کچھ وہ حجت نہیں۔ امام مالک گیارہ پسند کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صنـ اور ہمارا رسالہ اعتیادی مسائل صنـ) اور رسالہ تراویح سیوطی میں ہے

ابن جوزی کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک تراویح کی کوئی حد نہیں کیونکہ وہ نفل ہیں اور یہ کہنا کہ کسی صحابی کا اختلاف نہیں یہ بھی غلط ہے۔ حضرت عمرؓ سے گیارہ رکعت کا ثبوت گذر چکا ہے۔ حضرت ابی ام پڑھتے تھے۔

۱۷ ملا علی قاریؒ سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اجماع کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان میں کئی اقوال ہیں۔ چنانچہ نمبر اول میں گذر چکا ہے اور جو روایت بیہقی سے نقل کی ہے۔ اس کے متعلق شوق نیموی حنفیہ کے بہت بڑے بزرگ آثار السنن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا ذکر کسی نے اپنی طرف سے داخل کر دیا ہے۔ تصانیف بیہقی میں اس کا نام نشان تک نہیں۔

۱۸ حافظ ابن حجر سے اجماع نقل کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ وہ خود اختلاف نقل کر چکے ہیں۔ اور عینی سے بھی ہم نمبر اول میں اختلاف نقل کر چکے ہیں۔

تنبیہ ۔ آپ نے کسی رسالے سے اٹھارہ دلائل پیش کر دیے مگر ایسے رسائل پر اعتماد نہ کریں ۔ کیونکہ یہ لوگ بغیر تحقیق ویسے ہی دلائل لکھ دیتے ہیں ۔ تاکہ عوام پر کثرت دلائل کا اثر پڑے حالانکہ حقیقت میں ایک دلیل بھی صحیح نہیں ، چنانچہ آپ تفصیل معلوم کر چکے ہیں ، اب تحقیق آپ کے سامنے آگئی ہے کہ اصل سنت آٹھ ہیں ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی ثابت ہیں باقی زوائد نوافل ہیں ۔

از حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی مد ظلہ العالی

مسئلہ تراویح پر اعتراضات اور اُن کے جوابات

محدث روپڑی نے لکھا کہ :۔

ہم نے ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ کے پرچہ تنظیم میں لکھا تھا کہ آٹھ تراویح اہل حدیث اور حنفیہ کا متفقہ مسئلہ ہے جس کا عنوان تھا "مسئلہ تراویح ۔ اہل حدیث اور حنفیہ کا متفقہ فیصلہ" اور حنفیہ کے جد امجد ابن ہمام رحمہ اللہ سے جو الفتح القدیر حاشیہ ہدایہ ثابت کیا تھا کہ سنت اصل آٹھ ہی ہیں ۔ باقی مستحب ہیں یعنی نوافل ہیں ، نیز مشکوٰۃ سے سائب بن یزید کی روایت ذکر کی تھی کہ عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو رمضان المبارک میں حکم دیا کہ لوگوں کو ۱۱ رکعت پڑھائیں قیام کے لمبا ہونے سے ہم عصا پر ٹیک لگاتے فجر کے قریب فارغ ہوتے ۔

اس کے بعد میں نے لکھا کہ نفل کوئی زیادہ پڑھے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں اس لئے سعید بن جبیرؓ پہلے ۲۴ پڑھتے ۔ اخیر دھاکہ میں ۲۸ پڑھتے ۔ اور عمر بن عبدالعزیزؒ اور ابان بن یزید کے زمانہ میں لوگ ۳۶ پڑھتے ۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں ، معاذ ابو حلیم قاری اکتالیس پڑھتے اور نفل سمجھ کر جتنے کوئی چاہے پڑھے مگر تراویح اصل آٹھ ہی ہیں ۔

اس پر "العدل" کے ایڈیٹر بہت سیخ پا ہوئے ہیں اور ہم پر بہت سی لے دے کے بعد دس سوال کرتے ہیں ۔ ہم ان کے رنج اور ان کے لے دے کو خدا کے حوالہ کر کے سوالات کے جوابات دیتے ہیں ۔

اعتراض نمبر ۱

جناب نے شروع میں صرف سائب بن یزید کی حدیث نقل فرمائی ہے جس میں حکم حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی طرف سے ہے ۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ لوگ پہلے بھی رمضان میں گیارہ رکعت باجماعت پڑھتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے ان دونوں حضرات کو اس حکم سے نیا امام مقرر کیا تھا ۔ اور حضرت عمرؓ نے باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ مطلب ہے کہ نہ لوگ پہلے گیارہ رکعت جانتے تھے اور نہ ان کے ادا کرنے کی کیفیت

جانتے تھے، یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کے حکم سے ہوا، جواب میں حدیثیں پیش کریں

جواب

مسلم ص۲۵۹ میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر سختی کے قیام رمضان کی ترغیب دیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں فوت ہو گئے پھر حضرت ابوبکرؓ کے دنوں میں بھی یہی حال رہا، اور شروع خلافت عمرؓ میں بھی یہی حال رہا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے شروع خلافتِ عمرؓ ایک حالت رہی۔ مسلم کے اسی صفحہ پر دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات باجماعت پڑھا کر فرضیت کے خوف سے ترک کر دی۔

بخاری کے صفحہ ۲۶۹ میں ہے، ایک دن حضرت عمرؓ نکلے تو لوگوں کو متفرق نماز پڑھتے دیکھا۔ کوئی اکیلا پڑھتا ہے۔ کوئی چند آدمی ساتھ لے کر نماز پڑھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو ابی بن کعب پر جمع کر دیا۔

اسی طرح موطا وغیرہ میں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی ایک طریق مقرر نہ تھا۔ کوئی اکیلا پڑھتا، کوئی جماعت سے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب پر جمع کر دیا، اور مشکوٰۃ سے جو ہم نے روایت ذکر کی ہے اس میں تمیم داری کا بھی ذکر کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے، تمیم داری کو بعد ملایا ہے پہلے صرف ابی بن کعب تھے۔ ان سب روایتوں کے علاوہ سے معلوم ہوا کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین دن جماعت ہوئی پھر لوگ جس طرح چاہتے پڑھتے کوئی جماعت سے پڑھتا کوئی اکیلا پڑھتا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ایک جماعت کر دی۔

اب یہاں یہ سوال رہ جاتا ہے کہ لوگوں کی نماز کی حالت تو معلوم ہوئی لیکن رکعتوں کی تعداد معلوم نہیں ہوئی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایۃ ص۲۰۷ میں لکھتے ہیں۔

ابن حبان وغیرہ میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن راتوں میں نماز باجماعت پڑھائی تھی ان میں آٹھ رکعتیں اور تین وتر پڑھائے تھے۔

اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد اول ص۳۳۳ میں ابن حبان سے اور سبل السلام ص۱۳۷ میں صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔

اسی طرح قیام اللیل ص۹۰ میں احادیث ذکر کی ہیں اور بیس کی کوئی روایت صحت کو نہیں پہنچی۔ چنانچہ خود

حنفیہ (ابن الہمامؒ زیلعیؒ) نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اس میں ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ ایک راوی ہے جس کے ضعف پر اتفاق ہے۔ اس کی زیادہ تفصیل ہمارے رسالہ اہلحدیث کے امتیازی مسائل ص۱۲ و ص۳۵ میں ملاحظہ ہو۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں پڑھائیں تو ثابت ہو گیا کہ شروع خلافت عمرؓ تک یہی حالت رہی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیت کے خوف سے صرف جماعت ترک کی ہے تعداد کا ترک کہیں مذکور نہیں۔ پس شروع خلافت عمرؓ تک متفرق طور پر اکثر یہی تعداد رہی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسی تعداد پر جماعت قائم کر دی۔

اعتراض نمبر ۲

مضمون کے اخیر میں آپ نے فرمایا ہے۔ ہاں تراویح اصل آٹھ سنّت ہیں۔ جناب کا یہ قول آپ کے قائم کردہ عنوان کے نیچے اور حضرت سائب بن یزید کی حدیث کے بعد ہمیں اس سوال کی اجازت دیتا ہے کہ ہم دریافت کریں کہ کیا صحابی کا حکم سُنّت ہے یا نہیں۔ اگر سنّت ہے تو کیا سنّتِ صحابہ کے بھی وہی اقسام ہیں، جو سنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یا نہیں۔ پھر صحابی کا فعل سنّت تسلیم کر لینے کی حالت میں اس میں سارے صحابہ مساوی ہیں یا نہیں۔ جواب اہل حدیث رہ کر لکھیں۔

جواب

جواب نمبر اول سے معلوم ہو چکا کہ آٹھ تراویح با جماعت یہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔ حضرت عمرؓ نے صرف اتنا کیا ہے کہ ایک فعل بند کو جاری کر دیا نہ تعداد اُن کی طرف سے نہ جماعت۔ کیونکہ تعداد بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ جماعت بھی ثابت ہے۔ آپ نے فرضیت کے خوف سے جماعت ترک کر دی تھی۔ پھر شروع خلافت عمرؓ تک یہی حالت رہی۔ ایک دن حضرت عمرؓ کو لوگوں کی متفرق حالت دیکھ کر خیال ہوا تو پھر نئے سرے سے جماعت جاری کر دی۔ اور اسی لحاظ سے باعتبار لغوی معنی کے حضرت عمرؓ نے اس کو بدعت کہا جیسے بخاری میں ہے۔ ورنہ حقیقت میں یہ بدعت نہیں کیونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس پر عملدرآمد ہو چکا تھا۔ اور میرا صرف سائب بن یزید کی حدیث کو ذکر کرنا اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ حضرت عمرؓ کی سنّت ہے بلکہ یہ اس خیال سے ذکر کیا تھا تاکہ حنفیہ کے مشہور خیال کی تردید ہو جائے کہ حضرت عمرؓ نے بیس تراویح جاری کیں۔ اور سب کا اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا تو گیارہ پر عمل متروک ہو گیا۔

اگر آپ میری عبارت کو غور سے دیکھتے تو خود یہ مطلب آپ پر واضح ہو جاتا کہ سنّت سے مراد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ میری پوری عبارت یہ ہے "ہاں تراویح اصل آٹھ سنت ہیں، کیونکہ دلیل اسی کو چاہتی ہے، چنانچہ ابن الہمام سے ہم نقل کر چکے ہیں" اس عبارت میں ہم نے کمال ابن الہمام کا حوالہ دیا ہے۔ اب کمال ابن الہمام کی عبارت فتح القدیر جلد اول ص۱۹۵ سے نکال کر دیکھ لیں کہ انہوں نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ تراویح ثابت کی ہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔ یہ آٹھ سنت ہیں اور باقی نفل ہیں۔ اب آپ سمجھ لیں کہ رسول کی سنت مراد ہے یا صحابی کی۔ رہی یہ بات کہ صحابی کے قول فعل کا کیا حکم ہے۔ سو اس کے لئے آپ میرے رسالہ "تعریف اہل سنت" کا ص۲۲۳ اور رسالہ "تعریف اہل حدیث حصہ اول کا ص۲۹، ص۳۰، ص۳۱، ص۵۲، ص۵۶ اور حصہ دوم کا ص۵ اور رسالہ رویہ کا ص۴۲ ملاحظہ کریں۔

اعتراض نمبر۳

مؤطا امام مالک میں گیارہ رکعت اور بیس رکعت دونوں کی حدیثیں موجود ہیں۔ اور امام مالک کا عمل آپ کے قول کے مطابق گیارہ والی حدیث کے خلاف ہے۔ اسی طرح مؤطا کی گیارہ رکعت والی حدیث راوی سائب بن یزید کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ کیا ناقل حدیث یا راوی حدیث کا عمل جو مروی حدیث کے خلاف ہو حدیث پر اثر انداز ہے یا نہیں۔ جواب مجتہدانہ رنگ میں ہو۔

جواب

مؤطا میں بیس رکعت کی روایت ان الفاظ سے ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں ۲۳ رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ اس میں نہ حضرت عمرؓ کا فعل ہے نہ امر۔ ہاں گیارہ رکعت والی میں امر فرمانا مذکور ہے رہی یہ بات کہ سائب بن یزید راوی کا عمل اس کے خلاف ہے اس کا آپ نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ پھر عمل کا خلاف ہونا دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ زیادہ نفل کے شوق سے زیادہ پڑھ لے تو یہ عمل خلاف نہیں۔ ایک یہ کہ سنت ہی زیادہ سمجھے تو یہ عمل خلاف ہے۔ سو آپ پہلے ثابت کریں پھر سوال کریں۔ اور امام مالک بھی ۳۶ کو سنت نہیں سمجھتے بلکہ فرماتے ہیں۔ اَسْتَحِبُّ (قیام اللیل ص۹۲) یعنی میں مستحب سمجھتا ہوں اور عینی شرح بخاری اور رسالہ تراویح للسیوطی میں لکھا ہے کہ امام مالک گیارہ ہی پسند کرتے۔ ان کے دونوں قولوں میں موافقت یوں ہے کہ سنت ہونے کے لحاظ سے گیارہ پسند کرتے۔ زیادہ نفل ہونے کی وجہ سے ۳۶ کو پسند کرتے۔ یہ ایسا ہے جیسے عبداللہ بن عمرؓ حج کی تلبیہ کی دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر کچھ الفاظ زیادہ کر دیتے۔ اس پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ فان زاد زائد فی التلبیۃ شیئا من تعظیم اللہ فلا باس ان شاء اللہ واحب

الی ان یقتصر علی تلبیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی ص۱۰۰)

اگر کوئی تلبیہ کی دعاء میں تعظیم الٰہی کے لئے کوئی لفظ زیادہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن میرے نزدیک محبوب ترین یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پر اکتفا کرے۔

اہل حدیث آٹھ کو اسی لئے ترجیح دیتے ہیں کہ اصل سنت آٹھ ہیں۔ ورنہ کوئی نفل سمجھ کر زیادہ پڑھے خواہ ۴۰ پڑھے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اور نہ یہ مخالفت حدیث ہے کیونکہ نفل سمجھ کر پڑھتا ہے نہ سنت

اعتراض نمبر۴

آپ نے جس قدر بزرگان دین کا ذکر اپنے مضمون میں کیا ہے وہ سب گیارہ والی حدیث کے خلاف پر عامل ہیں جیسے کہ آپ کو مسلّم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان اکابر دین اور محدثین کے تعامل کا اثر صحت حدیث پر پڑ سکتا ہے یا نہیں۔ پھر ان ائمہ دین کے خلاف گیارہ رکعت پر عمل کرنے والے انہی کے ہم پایہ اور انہی کے معاصر آپ بیان فرمائیں۔

جواب

جواب نمبر۳ میں مخالفت کی تشریح ہو چکی ہے۔ نفل کوئی زیادہ پڑھے تو یہ خلاف نہیں۔ اس کے علاوہ امام مالکؒ گیارہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ ابھی گذرا ہے۔ قیام اللیل ص۹۱ میں ہے۔ محمد بن اسحاق جو کچھ سائب بن یزید نے روایت کیا ہے اُس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی ما ثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں (جو تابعین کا زمانہ ہے) اُس پر عملدرآمد رہا۔

حضرت عمرؓ کا زمانہ صحابہ کا ہے۔ انہوں نے اس کو جاری کیا۔ اس سے پہلے متفرق طور پر اس پر عمل رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس پر عمل کیا۔ عمر بن عبدالعزیز تابعین کے زمانہ میں اس پر عمل ہوتا رہا۔ امام مالکؒ امام زمان اور اُن کے معاصر محمد بن اسحاق تبع تابعی کی تصریحات اس کی ترجیح میں موجود ہیں۔ اس کے بعد محدثین کے خیالات اسی کے موافق ہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں راجح قول یہی ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے جد امجد کمال ابن الہمام نے نقل کر چکے ہیں۔ اب آپ اور کیا چاہتے ہیں۔ سوائے سر جھکانے کے کوئی چارہ نہیں۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔

اعتراض نمبر۵

بخاری شریف کے ص۴۸۶ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد ۰۰ ہے۔ ص۷۸۹ پر ۰۰ اور ص۹۹۳

پ۔ ۹ صہ حدیث ۳۱۱ پر ہے۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ آپ کے خیال میں یہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔ یا ان میں سے کوئی خاص صحیح ہے اور باقی غلط۔ پھر جو طریق بھی آپ ان روایت میں اختیار کریں کیا وہ طریق تراویح کی روایتوں میں اختیار کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ جواب میں مقلد نہ بن جائے۔

جواب

آپ لوگوں نے چونکہ قیاس کا باب بہت وسیع کیا ہوا ہے۔ اور شریعت کے گُروں سے پُورے طور پر واقف نہیں۔ اِس لئے اِس قسم کے اغلاط بہت کرتے ہیں کہ کہیں حکم کو خبر پر قیاس کر لیتے ہیں۔ کہیں عمل کو غیر عمل سے نسبت دیتے ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب۔ مولوی محمود حسن صاحب۔ مولوی انور شاہ صاحب وغیرہ اسی قسم کے اغلاط میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اپنے اپنے موقعہ پر ان لوگوں کے اغلاط کو ہم نے واضح کیا ہے۔ آج آپ بھی اِسی غلطی میں واقع ہو گئے۔

سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں تطبیق یُوں ہے۔ اصل عورتیں ۶۰ تھیں باقی لونڈیاں تھیں۔ سلیمان علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں پہلے ساٹھ کا ذکر کیا کہا۔ قسم ہے میں ساٹھ عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ پھر لونڈیاں جو کئی مراتب کی تھیں۔ ان کو درجہ بدرجہ شامل کر لیا۔ پہلے دس شامل کر کے ستر کہا پھر نوے پھر سو۔ غرض ایک ہی مجلس میں جوش وغصہ میں یہ قول کئی دفعہ کیا۔ ہر دفعہ مناسب تعداد بڑھاتے گئے اور رات اسی طرح قسم پوری کی۔ پہلے ساٹھ کے پاس گئے پھر وقفہ کر کے درجہ بدرجہ باقی تعداد پوری کی۔ اور بعض عدد تکثیر پر بھی محمول ہو سکتے ہیں۔ جیسے ستر کیونکہ یہ تکثیر کے لئے بہت آتا ہے۔

جیسے قرآن میں ہے۔

ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم

اگر تو منافقوں کے لئے ستر دفعہ بھی مغفرت مانگے تو خدا ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

اس میں ستر دفعہ کی حد بندی مقصود نہیں بلکہ یہ ایسے ہے جیسے کہتے ہیں میں نے تجھے سو دفعہ کہا ہے یہ کام نہ کر یہ۔ اس جگہ بھی ستر سے مُراد یہ ہو سکتی ہے کہ میں بہت عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ اس کے علاوہ یُوں بھی موافقت ہو سکتی ہے کہ کل عورتیں لونڈیاں سمیت نوے اور سو کے درمیان تھیں۔ ساٹھ تو اصیل ہونے کی بنا پر نقل کیں اور ستر تکثیر کے لئے اور نوے میں کسر ڈال دی اور سو میں کسر پوری کر دی کیونکہ ایک آدھ کی کمی کالعدم قرار دی جاتی ہے۔ جیسے شعبان کے روزوں میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا سارا شعبان روزے رکھتے تھے حالانکہ

سارا شعبان نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح اور محاورات بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو ترمذی ص۹۔ غرض سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کو تراویح سے کوئی تعلق نہیں وہ ایک قول ہے۔ جو ایک ہی مجلس میں معین عدد پر کئی مراتب بیان ہو سکتا ہے تراویح عمل ہے۔ اس میں یہ صورت مشکل ہے۔ ہاں اس میں دوسری صورت ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ پڑھی ہوں۔ دوسری راتوں میں زیادہ پڑھی ہوں۔ مگر الحمد للہ تراویح میں اس قسم کا اختلاف ہی نہیں بلکہ صحیح روایتوں میں صرف آٹھ ہی کی تعداد آئی ہے چنانچہ نمبر اول میں تفصیل ہو چکی ہے۔

اعتراض نمبر ۶

جب جناب نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ گیارہ سے زائد نفل ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ نفل کو بدعت کہنے والا اور اس سے نفرت کرنے والا شرعاً آپ سے کیا فتویٰ حاصل کر سکتا ہے۔

جواب

جو سنت سمجھ کر پڑھے وہ غلطی پر ہے۔ اس کو کوئی بُرا کہے تو اس کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اگر نفل سمجھ کر پڑھے تو اس کو بُرا سمجھنے والا بُرا ہے۔

اعتراض نمبر ۷

آپ کی جماعت بیس تراویح سے سخت بیزار اور اُن کو بدعت کہتی ہے۔ کیا کبھی آپ نے کوئی ایسا مضمون لکھا ہے۔ جس میں اُن کو ایسا کرنے سے روکا ہو۔ اور پھر اس کا کچھ اثر ہوا ہو۔

جواب

بیزار اُن سے ہوں گے جو بیس کو سنت سمجھ کر پڑھتے ہیں اور ترک کو بُرا جانتے ہیں۔ ورنہ نفل سمجھ کر پڑھنے والے کو شاید ہی کوئی بُرا جانتا ہو۔ میں نے اس مسئلہ کی کئی دفعہ وضاحت کی ہے کہ نفل سمجھ کر زائد پڑھنے والے پر کوئی اعتراض نہیں ملاحظہ ہو اہل حدیث کے امتیازی مسائل ص۲۶ اور پرچہ تنظیم ۸ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ پر مضمون لوگوں کی خاطر ہی لکھا ہے۔ اگر کوئی بُرا کہتا ہو گا تو اُمید ہے اُس کو فائدہ ہو گا - ہاں بہت سے اختلاف کو فائدہ مشاہدہ کیا ہے۔ انہوں نے بیس پر تشدد چھوڑ دیا۔ اب آٹھ بھی پڑھ لیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۸

مستحب کو عملاً سنت بنا دینا اور مستحب کو اعتقاداً بدعت کہنا آپ کے نزدیک کچھ فرق رکھتے ہیں یا نہیں اہل حدیث رد کر بتائیں۔

جواب

مستحب کو عملاً سنت بنا نا بھی درحقیقت اعتقاد میں فرق پڑنے سے ہوتا ہے جو عموماً آثار سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسے عموماً آج میں تراویح پر تشدد کرنے والوں کی حالت ہے اس لحاظ سے اس میں اور مستحب کو اعتقاداً بدعت کہنے میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں برابر کرتے ہیں۔ کیونکہ مرکز سے دونوں ہٹے ہوتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۹

آپ کی جماعت کی تحقیقات عموماً تخفیف پر منتج ہوتی ہیں دلائل سے آپ اس کی وجہ بیان فرمائیں۔

جواب

یہ بات غلط ہے حنفیہ اس میں اول نمبر ہیں۔ اہل حدیث کہتے ہیں فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ حنفیہ ایک آیت یا تین آیتیں کافی کہتے ہیں۔ اہل حدیث کہتے ہیں۔ رکوع سجدہ میں اطمینان کے بغیر نماز نہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں ہوجاتی ہے۔ اہل حدیث کہتے ہیں تشہد درود وغیرہ کے بغیر نماز نہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں ان کے بغیر ہوجاتی ہے۔ اہلحدیث کہتے ہیں سلام پھیرے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ حنفیہ کہتے ہیں خواہ سلام کی جگہ پاد دے نماز ہوجائے گی۔ ہم کہاں تک ان کی تخفیفات لکھیں کچھ نمونہ دیکھنا ہو تو اہلحدیث کے امتیازی مسائل کے اخیر میں صفحہ ۷۰ دیکھ لیں۔

اعتراض نمبر ۱۰

مضمون میں نقل شدہ حدیث میں مذکور ہے کہ صحابہ گیارہ رکعت صبح تک ادا کرتے رہتے تھے۔ اور ان میں کھڑا رہ کر ادا کرنا اتنا ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ صحابہ لاٹھیوں کے سہارے کھڑے رہتے تھے لیکن بیٹھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان کے کسی کونے میں غیر مقلدین کا کوئی ایسا گروہ ہے جس کا تراویح میں اس پر عمل ہو۔ اگر ہے تو بیان کریں۔ اور اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ پھر ایک شخص خلاف حدیث نوافل کو التزاماً مسجد میں ادا کرتے۔ اور ساری رات میں ختم کرنے کی بجائے صرف آٹھ پڑھے تو آپ کے خیال میں وہ کس فتویٰ کا مستحق ہے؟

جواب

بخاری صفحہ ۲۶۹ میں ہے۔

قال نعم البدعة هذه والتي تنامون عنها افضل من التي تقومون يريد اخر الليل وكان الناس يقومون اوله۔

یعنی بینیا کام اچھا ہے۔ اور جس نماز سے سو جاتے ہیں اُس سے اچھی ہے جو پڑھتے ہیں۔ یعنی اخیر رات کی اچھی ہے اور لوگ پہلی رات قیام کرتے تھے۔

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ فجر تک نماز ضروری نہیں ویسے کبھی کبھی زیادہ شوق کی وجہ سے قریب فجر تک بھی جاگتے رہتے تھے۔ مگر ضروری نہیں سمجھتے۔ ورنہ اوّل رات نماز پڑھ کر اخیر رات کیوں سو رہتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تین راتیں نماز پڑھائی تھی تو ساری رات نہیں پڑھائی۔ صرف تیسری رات جاگے ہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ ساری رات جاگنا ضروری نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیت کے خوف سے مسجد میں نفلوں کی نماز ترک کر دی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں ہمیشہ یہ سلسلہ جاری رکھنا اچھا ہے۔ اِسی بنا پر حضرت عمرؓ نے جاری کر دیا۔ اِس کو حدیث کے خلاف کہنا غلطی ہے۔ رہا گیارہ کی بجائے آٹھ پڑھنے کا اعتراض تو اس کا جواب بھی اِس روایت سے نکل آیا۔ کیونکہ اخیر رات جب نماز افضل ہوئی تو کم سے کم وتر تو اخیر رات کے لئے ضرور رکھے۔ خیر یہ تو اہلحدیث کی عملی حالت کے متعلق جواب ہوا۔ مگر اعتراض لکھتے وقت آپ نے گھر کی طرف بھی توجہ کی۔ گھنٹے کن کے ہاں چھوٹتے ہیں۔ قرآن مجید کا ستیا ناس کن کے ہاں ہوتا ہے۔ آٹھ سے بیس میں کن کے ہاں کم وقت صرف ہوتا ہے۔ حالانکہ قیام اللیل کے صفحہ ۹۱ میں بیس کے پڑھنے کی کیفیت یہ لکھی ہے

یقرؤن بالمئین من القران وانهم کانوا یعتمدون علی العصی فی زمان عمر بن الخطاب۔

یعنی سو سو آیت والی سورتیں ایک ایک رکعت میں پڑھتے اور لاٹھیوں پر سہارا کرتے۔ خدا اپنے فضل سے نیکی برباد گناہ لازم کی حالت سے بچائے۔ آمین۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ایک مسجد میں بیک وقت کئی حافظوں کا نماز تراویح پڑھانا

سوال ۔ ایک سہ منزلہ مسجد میں نماز تراویح بیک وقت پانچ حافظ پڑھاتے ہیں۔ اس طور سے کہ نیچے کی منزل میں جہاں امام فرض نماز پڑھاتا ہے اس جگہ ایک حافظ اور تین حافظ دوسری منزل میں ہر ایک میں چند گز کا فاصلہ ہوتا ہے اور پانچواں حافظ تیسری منزل پر نماز تراویح میں قرآن مجید سناتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے اور کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ بیک وقت ایک سے زائد امام کسی صورت میں خواہ نماز تراویح ہو یا کوئی دوسری نماز۔ زمانہ نبوی سے لے کر خلفاء راشدین

صحابہ کرام۔ محدثین عظام اور ائمہ دین کے زمانہ میں کبھی اس طرح نماز با جماعت ادا نہیں کی گئی۔ اس لئے یہ بدعت ہے۔

عمرو کہتا ہے کہ یہ صورت جائز ہے۔ اس لئے کہ قوم کے لئے بچے حافظ ہوتے ہیں۔ اگر ان کو مسجد میں قرآن سنانے اور پڑھنے کا موقعہ نہ دیا جائے تو وہ پابندی سے پڑھ نہیں سکتے۔

زید اور عمرو دونوں میں سے کس کی رائے صحیح ہے۔

ایک سائل کلکتہ انڈیا

جواب:۔ اس مسئلہ میں ہم چند روایات مقاصد حسنہ ص۱۰۰ سے نقل کرتے ہیں، جن سے مسئلہ بخوبی واضح ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

۱۔ لا یجھر بعضکم علی بعض بالقراٰن رقال شیخنا، وھو صحیح من حدیث البیاضی فی الموطاء وابی داؤد وغیرھما قلت وحدیث البیاضی عند ابی عبید فی فضائل القراٰن من جھۃ ابی حازم التمار عنہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الناس وھم یصلون وقد علت اصواتھم فقال المصلی یناجی ربہ فلینظر بما یناجیہ ولا یجھر بعضکم علی بعض بالقراٰن وان حدیث الاوزاعی عن یحیی بن ابی کثیر رفعہ مرسلا مثلہ۔

یعنی صحیح حدیث میں ہے کہ بعض تمہارا بعض پر قرآن مجید کے ساتھ آواز بلند نہ کرے یہ حدیث موطاء اور ابو داؤد وغیرہ میں ہے۔ اور فضائل القرآن ابی عبیدہ میں ابی حازم کے واسطہ سے اس حدیث کو بیاضی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) لوگوں پر نکلے اور وہ متفرق طور پر نمازیں پڑھ رہے تھے۔ اور اُن کی آوازیں بلند تھیں۔ فرمایا نمازی خدا سے مناجات کرتا ہے پس دیکھئے کہ مناجات کیا کرتا ہے اور بعض تمہارا بعض پر قرآن مجید کے ساتھ آواز بلند نہ کرے۔

۲۔ عن علی مرفوعا لا یجھر بعضکم علی بعض بالقراءۃ قبل العشاء وبعدھا وھو عند الغزالی فی الاحیاء بلفظ بین المغرب والعشاء واخرجہ ابو عبید من حدیث ابی اسحٰق عن الحارث عن علی قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یرفع الرجل صوتہ بالقراءۃ قبل العشاء الاخرۃ وبعدھا یغلط اصحابہ۔

یعنی حضرت علیؓ سے مرفوع روایت ہے کہ بعض تمہارا بعض پر قرأت کے ساتھ آواز بلند نہ کرے نہ عشاء سے پہلے اور نہ عشاء کے بعد اور غزالی نے احیاء میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ اس میں درمیان اور مغرب اور عشاء کے ہے۔

اور ابو عبیدہ نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ بعض تمہارا بعض پر قرأت کے ساتھ آواز بلند کرے۔ خواہ پہلے عشاء خواہ بعد ساتھیوں کو غلطی میں ڈالتا ہے۔

ولابی داؤد من حدیث اسماعیل بن امیۃ عن ابی سلمۃ عن ابی سعید الخدری قال اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فسمعھم یجھرون بالقراءۃ فکشف الستر وقال الا ان کلکم مناج ربہ فلا یوذین بعضکم بعضا ولا یرفع بعضکم علی بعض بالقراءۃ او قال فی الصلوۃ واخرجہ النسائی فی فضائل القران من سننہ ایضا۔

یعنی ابوداؤد میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف بیٹھے۔ لوگوں کو سنا کہ آواز بلند سے قرأت کرتے ہیں۔ آپ نے پردہ اٹھا کر فرمایا کہ تم سب خدا سے مناجات کرتے ہو۔ بعض تمہارا بعض کو ایذا نہ دے اور ایک دوسرے پر قرأت یا نماز بلند آواز نہ کرے۔ اور نسائی نے بھی اپنی کتاب سنن باب فضائل القرآن میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ جب ایک دوسرے کو آواز پہنچے تو اس طرح سے ایک وقت میں کئی حافظوں کا تراویح پڑھانا درست نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ

نماز تراویح کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال :۔ ہمارے حلقے میں بہت سے علماء اہل حدیث نماز تراویح پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اس کے بعد تین وتر پڑھتے ہیں کیا اس طرح دعا کا کوئی ثبوت ہے۔

عبدالرحمٰن حصاری

سوالاتِ علمیہ اور اُنکے جوابات

سوال ۔ کیا ایمان ایک قسم کی کیفیت ہے یا کم (مقدار و عدد وغیرہ) کی قسم سے ہے ؟
کیا اعمالِ صالحہ ایمان کا جزء ہیں یا اس سے خارج اور اس کے متمم ہیں ؟
اہلحدیثؒ کے نزدیک اعمال صالحہ صحت ایمان کیلئے اس میں داخل ہیں یا اس سے خارج ہو کر اس کی صحت کیلئے شرط ہیں ؟

جواب :۔ سوالات چونکہ عربی تھے اس لئے جواب بھی عربی میں دیا گیا ۔ ترجمہ بھی عام فہم ہونا مشکل ہے کیونکہ سوالات و جوابات علمی ہیں جنکو خاص عُلماء ہی سمجھ سکتے ہیں "تاہم حتی الوسع خلاصہ عام فہم اُردو میں کر دیا جاتا ہے تاکہ عوام بالکل محروم نہ رہیں ۔ سوالات کا خلاصہ ترعنوانات میں آچکا ہے جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ ایمان ایک کیفیت ہے اور اعمال صالحہ اُسکا جزء ہیں مگر ایسا جزء نہیں کہ اُن کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جائے ۔ ہاں نماز ایسا رکن ہے کہ اس کے نہ پڑھنے سے ایمان بھی نہیں رہتا چنانچہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے تفصیل کیلئے "تنظیم" جلد ۲ کا نمبر ۷ مورخہ ۹ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق یکم جون ۱۹۳۳ء ملاحظہ ہو ۔ (مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ واما السائل فلا تنھر ـــ ما قولکم یا علماء الاسلام رحمکم اللہ العلام من المحدثین الکرام سلمکم اللہ من شرور دھور الایام فی ھذہ المسائل العظام التی لا بدلنا منھا فافتونا بکتاب اللہ و بسنۃ نبینا خیر الانام وخذوا اجورکم من اللہ العزیز السلام فی یوم القیام ۔

سوال :۔ منھا ان الایمان الشرعی من ای مقولۃ امن مقولۃ الکیف ام من مقولۃ الکم فزیادتہ ونقصانہ من الکمیات ام من الکیفیات ۔

جواب :۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین ـــ علے اعلم رحمک اللہ ان الایمان شرعًا اعتقاد بالقلب ونطق باللسان و عمل بالارکان ۔ اما الاعتقاد فھو متفق علی انہ اصل من الاصول ینتفی الایمان بانتفاءہ الا الکرامیۃ فعندھم الایمان ھو النطق فقط واما عند غیرھم فالنطق شطر وشرط کالعمل یۃ

الصلوة

واما العمل بالاركان فالسلف على جزئيته بمنزلة ورق الشجرة وفروعها و كواجبات الصلوة وسننها لا ينتفى الايمان بانتفائه الا الصلوة فانها للايمان بمنزلة الفاتحة للصلوة وارجح المذاهب مذهب السلف وهو ان الايمان اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالاركان والجزءان الاولان ركنان ينتفى بانتفاء احدهما والجزء الثالث كواجبات الصلوة وسننها الا الصلوة فانها ركن كالاعتقاد والنطق كما يدل عليه الكتاب والسنة قال الله تعالىٰ واقيموا الصلوة ولا تكونوا من المشركين وفى الحديث كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يرون شيئًا من الاعمال تركه كفر غير الصلوة . رواه الترمذى ومثل ذلك كثير والتفصيل فى جريدتنا "تنظيم اهل حديث" فى العدد ٧ من المجلد ٢ .

فعلى هذا الايمان لا يكون من مقولة الكيف ولا من مقولة الكم بل هو مركب من مقولات متعددة فان الاعتقاد من مقولة الكيف على الصحيح كما هو مذكور فى كتب المنطق والنطق والصلوة من مقولة الفعل كما هو الظاهر ويعلم من احاديث الشفاعة ان الايمان من مقولة الكم فان الايمان قدر فيها بمثقال دينار ومثقال نصف دينار ومثقال حبة من خردل ومثقال ذرة وغيرها وهؤلاء كلها من مقولة الكم وان اريد بها الوزن كما يدل عليه قوله مثقال دينار ومثقال نصف دينار الخ واصرح منه قوله ما يزن ذرة وقوله وفى قلبه وزن شعيرة من خير الحديث وفى رواية من ايمان كما فى البخارى من باب زيادة الايمان ونقصانه . فالايمان من مقولة الكيف فزيادته ونقصانه من الكيفيات . فتامل .

سوال :- منها ان الاعمال الصالحة للايمان الشرعى اجزاء حقيقية ام خارجة من الحقيقة الايمانية لكن هى للايمان متممات ومكملات كالاعضاء الانسانية فانها خارجة من الحقيقة الانسانية لكنها كمال الانسان موقوف عليها .

جواب :- الاعمال الصالحة اجزاء حقيقة للايمان كالورق للشجرة وفروعها وكواجبات الصلوة سننها الا الصلوة فانها ركن كما مر .

سوال :- منها ان الاعمال الصالحة عند اهل الحديث شطر فى صحة الايمان الشرعى

ام شرط فی صحته وقال الحافظ ابن حجرؒ فی الفتح ان المعتزلة جعلوا الاعمال شرطا فی صحته والسلف جعلوا الاعمال شرطا فی کماله وهذا الفارق بین السلف والمعتزلة فقول الحافظ فی تفریق السلف والمعتزلة صحیح ام لا وایضا وقال العلامة السندی فی حاشیة البخاری المصری ما لفظه لیس معنی قوله قولا وفعلا ان کلا منهما جزء من الایمان علی وجه ینتفی الایمان بانتفاءه فان السلف لم یقولوا بذلك بل معناه ان کلا منهما یعد جزءا من الایمان تارة ویطلق اسم الایمان علیه اخری شرعًا انتهی .

فثبت من قول العلامة ان الاعمال الصالحة قد یطلق علیها الایمان مجازا فی الشرع لان الاسلام والایمان مصداقًا واحد فی عرف الشرع فکما یطلق الایمان علی التصدیق الباطن قد یطلق علی الاسلام ایضا کما فی حدیث ابن عباسؓ اتدرون ما الایمان بالله وحده قالوا الله ورسوله اعلم قال شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة وصیام رمضان وان تعطوا من المغنم الذی یکون بالاعمال الصالحة علی مجرد الایمان .

فیا علماء الاسلام حققوا هذه المسئلة الایمانیة لان کثیرا من العلماء الذین یقرؤن علم الحدیث لا یفرقون بین مذهب اهل الحدیث وبین مذهب الخوارج والمعتزلة وایضًا لا یفرقون بین مذهب اهل الحدیث والاحناف فی زیادة الایمان ونقصانه فبینوا لنا بیانا شافیا بالادلة القرآنیة والحدیثیة مع ذکر مذاهب الأئمة الاربعة المشهورة فی هذه المسئلة جزاکم الله جزاء حسنا وجعل سعیکم سعیًا مشکورًا . وانا المستفتی محمد حسین الفنجابی الالٰه آبادی المتعلم بمدرسة دار الحدیث الواقعة ببلدة کهنڈیله من مضافات جه پور راجپوتانه الهند .

جواب :- قال الحافظ ابن حجر رحمه الله فالسلف قالوا هو اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالارکان وارادوا بذلك ان الاعمال شرط فی کماله ومن ههنا نشأ لهم القول بالزیادة والنقص کما سیأتی والمرجئة قالوا هو اعتقاد ونطق فقط والکرامیة قالوا هو نطق فقط والمعتزلة قالوا هو العمل والنطق والاعمال والفارق بینهم وبین السلف انهم جعلوا الاعمال شرطا فی صحته والسلف جعلوها شرطا فی کماله انتهی . (فتح الباری جزء اول ص٤٥)

هذا الکلام سیق لبیان الجزئیة فجعل الاعمال شرطاً لا معنی له فان الشرط خارج

من الشروط الا ان يحمل الشرط على معنى اعم من الشرط والجزء وهو ما يتوقف عليه فالسلف والمعتزلة متفقون على ان الاعمال جزء من الايمان الا ان المعتزلة قائلون بركنيتها والسلف قائلون بجزئيتها مطلقا سواء كان ركنا اولا والحافظ لم يستثن الصلوة ولا بد منها فانها ركن الايمان ينتفي بانتفاءها كما مر . واما قول الحافظ ومن ههنا نشأ لهم القول بالزيادة و النقص فهو على المشهور والا التصديق بنفسه يزيد وينقص كما قال الحافظ بعد اسطر قال الخمس الحديث رواه البخاري وفي هذا الحديث اطلق الايمان على الاسلام الشرعي كما قال العلامة السندي على هذا الحديث ان تفسير الايمان بالامور المذكورة باعتبار اطلاقها على الاسلام واما الايمان بمعنى التصديق فكأنه كان معلوما للقوم وحاصلا لهم فلم يذكره . فاستدلال اهل الحديث بهذا الحديث على زيادة الايمان في اصل الايمان مبني على قلة التدبر لان الاعمال داخلة في كمال الايمان لا في اصل الايمان كما لا يخفى على عالم الكتاب والسنة و هكذا استدلالهم (بحديث انس المروي في الشفاعة يخرج من النار من قال لا اله الا الله وفي قلبه وزن الشعيرة من خير الحديث رواه البخاري ـ وبحديث ابي سعيد الخدري وفيه في الشفاعة من المومنين عند رب العالمين ما نفعه ارجعوا فمن وجدتم في قلبه مثقال دينار من خير فاخرجوه فيخرجون خلقا كثيرا ثم يقولون ربنا لم نذر فيها احدا (الى قوله) فيقول الله تعالى شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المومنون ولم يبق الا ارحم الراحمين فيقبض قبضة من النار فيخرج منها قوما لم يعملوا خيرا قط الحديث رواه مسلم في صحيحه على زيادة الايمان ونقصانه) غلط لان في هذين الحديثين ليس المراد من الخير اصل الايمان بل المراد شيء زائد على مجرد الايمان لان مجرد الايمان الذي هو التصديق لا يتجزأ وانما يكون هذا التجزي لشيء زائد عليه من عمل صالح وغيره (نووي شرح مسلم ص١٠٣ جلد اول) و قال الحافظ في الفتح ان المراد بالخير المنفي ما زاد على اصل الاقرار بالشهادتين كما تدل عليه بقية الاحاديث (فتح الباري ص٤٢٥ پاره ٣٠) ايضا وقال الحافظ في الفتح في موضع اخر ان المراد بحبة الخردل ههنا ما زاد من الاعمال على اصل التوحيد لقوله في الرواية الاخرى اخرجوا من قال لا اله الا الله وعمل من الخير ما يزن ذرة (فتح الباري ص٣٤ پاره ١) واما الذين اخرجهم الله تعالى الشيخ محي الدين والاظهر المختار ان التصديق يزيد وينقص بكثرة النظر ووضوح الادلة ولهذا كان ايمان الصديق اقوى من ايمان غيره بحيث لا يعتريه الشبهة ويؤيده

ان کل احد یعلم ان ما فی قلبه یتفاضل حتی انه یکون فی بعض الاحیان الایمان اعظم یقینا
واخلاصا وتوکلا منه فی بعضها وکذلك فی التصدیق والمعرفة بحسب ظهور البراهین
وکثرتها وقد نقل محمد بن نصر المروزی فی کتابه تعظیم قدر الصلوة عن جماعة من الائمة نحو
ذلك انتهی (فتح الباری جزء اول ص۴۵) وعن ابن مسعود انه کان یقول اللهم زدنا ایمانا و
یقیناً وفقها واسناده صحیح وهذا اصرح فی المقصود (من ان نفس التصدیق یزید وینقص
فان الیقین هو التصدیق بل اقوی المراتب منه) (ص۴۵) فالایمان علی ای معنی یحمل یزید و
ینقص فنسبة اهل الحدیث الی قلة التدبر مبنی علی قلة التدبر سیما اذا کان الصلوة رکن الایمان
کما مر وهی تزید وتنقص فیزید وینقص الایمان بزیادتها ونقصانها فثبت زیادة الایمان
ونقصانه علی اتم وجه وابلغ طریق . واما قوله علیه السلام فی حدیث القبضة لم یعملوا خیرا
قط فلیس المراد منه نفی العمل مطلقا فان قول لا اله الا الله من العمل کما قالوا فی تفسیر قوله
تعالی فی سورة النحل فوربك لنسألنهم اجمعین عما کانوا یعملون ۔
عن قول لا اله الا الله بل التصدیق ایضاً من العمل فانه من کسب القلب وقال تعالی وتلك
الجنة التی اورثتموها بما کنتم تعملون وقال تعالی ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم فالمراد
من قوله لم یعملوا خیرا قط غیر التصدیق وغیر قول لا اله الا الله بدلالة احادیث اخر ککتاب
الصلوة ۔

واما قول النووی لیس المراد من الخیر اصل الایمان الخ فمنقلب علیه فان تجزی
التصدیق محل النزاع ایضا وایضا الاقرار بالشهادتین خارج من التصدیق ویدخل فی شیء زائد
مع ان الایمان ینتفی بانتفائه بقبحته فلیس معهم اعمال الاجر والایمان ای التوحید لله تعالی
کما جاء فی الحدیث فیخرج قوما لم یعملوا خیرا قط فثبت من هذا الحدیث ان الشفاعة یوم
القیامة من الموحدین لا تکون الا لمن قال لا اله الا الله فقط بل تکون لمن عمل سوی التوحید من
الاعمال الصالحة من الفرائض والنوافل فوا اسفا علی من یستدل بهذا الحدیث علی زیادة الایمان
ونقصانه فی اصل الایمان لان الحدیث لا یؤید من قال هذا القول لان الحدیث المذکور یثبت منه
زیادة الایمان ونقصانه فی کمال الایمان فالمراد من الخیر ما زاد علی الاقرار کما قال الحافظ ان المراد
بالخیر المنفی ما زاد علی اصل الاقرار بالشهادتین الخ وقال ان المراد بحبة الخردل ههنا ما زاد علی اصل
التوحید الخ فکما ان المراد منه ما زاد علی اصل الاقرار کذلك المراد منه ما زاد علی اصل الصلوة

بدلالة احاديث اخر وكلاهما عمل فان الاقرار عمل اللسان والصلوٰة عمل الارکان۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين۔

عبداللہ امرتسری مدیر جریدۃ تنظیم اہلحدیث روپڑ من مضافات

انبالہ پنجاب۔ ۲۰ ذی الحجہ سنۃ ۱۳۵۹ھ ہجری

اَلجَامِعَۃُ الاِسلَامِیَہ مَدِینَہ مُنَوَّرَہ

سے آمدہ

سوالات عِلمیہ ـــــ اور ـــــ اُن کے جوابات

ـــــ از حضرت العلام حافظ صاحب مُحدّث روپڑی مدظلہ العالی ـــــ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

محترم المقام استاذ العلام حضرت حافظ صاحب محدث روپڑی۔ متع اللہ المسلمین بطول حیاتکم ـــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــــ

پہلا مسئلہ:۔ نمازی اپنے آگے جوتا رکھ سکتا ہے یا نہیں، اس کے متعلق شیخ البانی سے گفتگو میں ہم نے آپ کے فتویٰ کے مطابق طبرانی کی حسب ذیل حدیث شیخ کو دکھائی۔

حدثنا محمد بن احمد بن البراء البغدادی ثنا علی بن الجعد ثنا ابو سعید الشقری عن زیاد الجصاص عن عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا خلع احدکم نعلیہ فی الصلوٰۃ فلا یجعلھما بین یدیہ فیأثم بھما ولا من خلفہ فیأثم بھما اخوہ المسلم ولکن لیجعلھما بین رجلیہ لم یروہ عن زیاد الا ابو سعید الشقری البصری تفرد بہ علی بن الجعد ولا یروی عن ابی بکرۃ الا بھذا الاسناد۔

(المعجم الصغير للطبراني ص١٦٥ مطبع انصاری بدهلی من اقليم هند)

اس پر شیخ البانی فرمانے لگے کہ ـــــ اس حدیث کو مجمع الزوائد میں ہیثمی نے طبرانی کبیر کے حوالہ سے نقل کر کے معلول لکھا ہے ، بہر صورت اس کے رجال اسناد کے متعلق شیخ کی تحقیق یہ ہے ۔

اسناده ضعيف جدا فان زياد الجصاص هذا هو ابن ابى زياد قال الذهبى فى الميزان قال ابن معين وابن المديني ليس بشئ وقال ابو زرعة واه ، وقال النسائى والدار قطنى متروك واما ابن حبان قال فى الثقات ربما يهم ۔

قلت (يعنى الشيخ الالبانى) بل هو مجمع على ضعفه قلت والراوى عنه ابو سعيد الشقرى اسمه المسيب بن شريك مثله فى الضعف او اشد فقد قال ابن معين ايضاً ليس بشئ وقال احمد ترك الناس حديثه ۔ وقال البخارى سكتوا عنه وقال مسلم وجماعة متروك وقال الفلاس متروك الحديث قال اجمع اهل العلم على ترك حديثه وقال الساجى متروك الحديث يحدث بمناكير ۔

اس حدیث پر شیخ البانی کی بیان فرمودہ جرح ارسال ہے ۔ اگر کوئی اور حدیث آپ کے علم میں ہو تو تحریر فرمائیں ۔

دوسرا مسئلہ :۔ ہم نے شیخ البانی سے سوال کیا کہ حدیث میں ہے ۔

" رشتہ داروں سے احسان اور حسن سلوک انسان کے لیئے درازئیے عمر کا ذریعہ ہے " تو کیا تقدیر بدل جاتی ہے ؟

اس کے جواب میں شیخ نے طویل تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

" ہم کہتے ہیں یہ اسباب اللہ تعالیٰ کے نزدیک روز ازل سے تیار ہوئے ہیں ، جب ہم تقدیر کے اس نوشتہ کے مطابق عمل کر رہے ہیں تو کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا ۔ "

اس پر ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان پیش کیا :

اللهم ان كنت كتبت على شقوة او ذنباً فامحه فانك تمحوا ما تشاء وتثبت وعندك ام الكتاب فاجعله سعادة ومغفرة (ابن كثير ج ۲ ص۵۱۹ سورة رعد)

شیخ البانی نے فرمایا ۔ یہ روایت منقطع ہے ۔ ابو قلابہ حضرت عمرؓ سے نقل کرتا ہے حالانکہ اس کی ملاقات نہیں ہوئی ۔ اس پر اتنی ہی جرح کافی ہے ۔

تیسرا مسئلہ :۔ شیخ البانی نے درمیانی تشہد میں درود پڑھنے کا ثبوت پیش کیا کہ مسند ابو عوانہ ج ۲ میں صحیح حدیث ہے کہ :۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز بیان فرماتی ہیں جن میں

یہ الفاظ ہیں :

کان یصلی تسع رکعات یجلس فی الثامنة ویدعوا ویصلی علی نبیه .

اور جو لوگ درمیانی تشہد میں درود نہ پڑھنے پر ابو داؤد باب تخفیف القعدة کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشہد میں ایسے بیٹھتے جیسے آگ کے انگاروں پر .

یہ حدیث ضعیف ہے . کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو عبیدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں . لیکن ان کی ملاقات اپنے والد سے نہیں ہوئی . اس حدیث درمیانی تشہد میں درود کی نفی پر اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں — اور اگر حدیث کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخری تشہد کی نسبت کم بیٹھتے . یہ مطلب نہیں کہ درود نہ پڑھتے اور اگر درود پڑھ لیا تو صلوٰۃ باطل (دوم کی نماز) ہو جائے گی . جیسے امام شافعی کا قول ہے . یا جیسے حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدہ سہو لازم آئے گا .

چوتھا مسئلہ :- سجدہ جاتے وقت ہاتھ پہلے رکھے یا گھٹنے . اس کے متعلق شیخ البانی نے فرمایا حدیث : " فلیضع رکبتیه قبل یدیه " موضوع ہے . خاص کر جب اس کے مقابلہ میں صحیح حدیث موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں .

" فلا یبرك كما یبرك البعیر " یعنی سجدہ میں جاتے ہوئے اونٹ کی طرح نہ بیٹھو ؛ اونٹ گھٹنے پہلے رکھتا ہے . اس کے برعکس یہ ہے کہ " ہاتھ پہلے رکھے جائیں " .

پانچواں مسئلہ :- مسجد حرام اور مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں زمانہ نبوی کے بعد جتنی توسیع ہوئی اس کا مقام و مرتبہ اصل مسجد کے مساوی ہے یا کچھ فرق ہے . ؟ شیخ البانی نے فرمایا : مساوی ہے

چھٹا مسئلہ :- دو نمازوں ، ظہر ، عصر یا مغرب ، عشاء کے جمع کرنے کے متعلق سوال ہوا . کہ اگر مسافر کو یقین ہو کہ وہ عصر تک یا عشاء تک گھر پہنچ جائے گا تو کیا وہ ظہر کے ساتھ عصر یا مغرب کے ساتھ عشاء کی نماز جمع اور قصر کی صورت میں پڑھ سکتا ہے . ؟ شیخ البانی نے فرمایا ، پڑھ سکتا ہے . کیونکہ جب مسافر سفر میں کسی جگہ ٹھہرنے کی نیت کرے تو اس حال میں اسے نمازیں جمع کرنے کی اجازت ہے . تو گھر پر پہنچنے کی نیت کی صورت میں بھی جائز ہے .

ساتواں مسئلہ :- مسئلہ توسل بھی زیر بحث آیا مشہور حدیث اعمیٰ جس میں ذکر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں . شیخ البانی نے فرمایا . یہ حدیث صرف زندہ سے دعا کرانے کی دلیل ہے کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حیات تھے .

دوم اس حدیث میں لفظ فَشَفِّعْهُ فِیَّ ہے . یعنی نابینا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا . تو اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کر کہ یا اللہ . ! میرے حق میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرما .

اس سے بھی ثابت ہوا کہ زندہ سے دعا کرانا جائز ہے

تیسرے یہ کہ مولانا محمد بشیر سہسوانی "صیانۃ الانسان" میں اس حدیث کی بابت لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی ابوجعفر ہے ___ ابوجعفر دو ہو سکتے ہیں، اگر ابوجعفر رازی ہے، تو صحیح ہے۔ اگر ابوجعفر مؤذن ہے، تو وہ مجہول ہے۔

چونکہ معلوم نہیں ہو سکا، ان دونوں میں سے کونسا راوی ہے۔ اس لئے حدیث کی صحت مشکوک رہی ___ امام ابن تیمیہ رح نے بھی یہ حدیث اپنی کتاب "الوسیلہ" میں ذکر کی ہے لیکن اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ بلکہ اس کے مختلف جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

___ اس سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ رح کے نزدیک اس حدیث کی اسناد پر کوئی شبہ نہیں ___ شیخ البانی نے فرمایا میں نے اس حدیث کی خود تحقیق کی ہے۔ اگرچہ سہسوانی کا قول صحیح ہے۔ لیکن یہ نہ ابوجعفر رازی ہے اور نہ ہی یہ ابوجعفر مؤذن ہے۔ یہ حدیث حاکم نے روایت کی ہے اور انہوں نے نام عمیر بن عبدالعزیز لکھا ہے۔ تو یہ راوی ابوجعفر عمیر بن عبدالعزیز خطمی ہے۔ جو مسلم کا راوی ہے۔

اس پر میں نے کہا: بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ جب قحط پڑ گیا تو حضرت عائشہ رض نے فرمایا: "روضۂ اطہر کی چھت میں سوراخ کر دیا جائے کہ آسمان تک کوئی حجاب نہ رہے" ایسا کیا گیا تو بارش ہو گئی۔

شیخ البانی نے فرمایا۔ اس کو دارمی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں شیخ الدارمی ابوالنعمان عارم ہے۔ اختلط فی آخر عمرہٖ آخری عمر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ حدیث ضعیف ہے۔ عقائد میں ایسی باتوں کا پیش کرنا حجت نہیں۔

مندرجہ بالا سوالات کے جوابات کا خلاصہ

ان سوالات کے جوابات حضرت الشیخ ناصرالدین البانی کے ہے عربی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" میں اس غرض سے شائع کئے جا رہے ہیں کہ دیگر علماء بھی استفادہ فرمائیں۔

عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے عام قارئین کرام پوری طرح مستفید نہیں ہو سکتے ان کے لئے ذیل میں جوابات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے

پہلا مسئلہ :- معجم صغیر طبرانی کے حوالہ سے جو حدیث پیش کی گئی کہ نماز میں جوتا آگے رکھنا منع ہے۔

شیخ ناصرالدین البانی استاذ الاساتذہ مدینہ یونیورسٹی نے اس کی سند پر جرح کی ہے حضرت العلام حافظ صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ جرح بہت خفیف ہے اور اس مسئلہ کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس سے اس ضعف (جرح) کا دفعیہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مسئلہ صحیح ہے۔ کہ نمازی کو جوتا آگے نہیں رکھنا چاہیے۔!

دُوسرا مسئلہ :- تقدیر کا ہے۔ شیخ البانی سے سوال ہوا کہ جب ہر بات کا فیصلہ ازل سے ہو چکا تو پھر اسباب کا فائدہ کیا۔ یہ شیخ البانی کی خدمت میں حضرت عمر فاروق رضہ کی دعا پیش کی گئی۔ جو سوال میں درج ہے۔ اس پر شیخ نے فرمایا اسباب ازل میں ساتھ ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمر رضہ کی دعا والی روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضہ سے روایت کرنے والے ابوقلابہ ہیں۔ جن کی ملاقات حضرت عمر رضہ سے ثابت نہیں۔ اس کے جواب میں حضرت العلام نے فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضہ سے روایت کرنے والے ابوقلابہ نہیں بلکہ ابوعثمان نہدی ہیں۔ اور ان کی ملاقات حضرت عمر رضہ سے ثابت ہے۔ ہاں ابوقلابہ حضرت حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ سے روایت کرتے ہیں۔ تو گویا یہ روایت دو صحابہ سے مروی ہے۔ پس اس کو ضعیف کہنا صحیح نہیں۔ نیز اس روایت میں قرآن مجید کی آیت بھی مذکور ہے۔ اگر روایت فی نفسہٖ ضعیف ہوتی تو بھی آیت قرآن مجید سے اس کا مطلب صحیح ہو جاتا۔ پس ثابت ہوا کہ تقدیر بدلتی ہے۔ ہاں شیخ البانی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ اسباب ازل میں ساتھ ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم دَم کرتے ہیں۔ دوائی کا استعمال اور پرہیز وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ کیا یہ اسباب اللہ کی تقدیر سے کچھ رَدّ کر دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ اسباب بھی تقدیر میں لکھے ہوتے ہیں۔ یعنی تقدیر میں فیصلہ ہوتا ہے کہ یہ کام فلاں سبب کے ساتھ ہوگا۔ چونکہ وہ سبب نہیں ملتا۔ اس لئے کام بھی نہیں ملتا۔

رہی یہ بات کہ تقدیر بدلنے کی صورت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر دو طرح کی ہے۔ مبرم اور تقدیر معلق۔

تقدیر مبرم وہ ہے جو قلم نے لوح محفوظ میں لکھی ہے وہ نہیں بدلتی۔ اور تقدیر معلق وہ ہے جو فرشتے اپنے صحیفوں میں لکھتے ہیں۔ یہ تقدیر بدل جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت العلام نے مسئلہ تقدیر پر عالمانہ بحث فرمائی ہے۔

تیسرا مسئلہ :- یہ ہے کہ پہلے التحیات میں درود شریف اور دُعا پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔!

شیخ کا خیال ہے پڑھ سکتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ: "مسند ابو عوانہ میں حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نو (۹) رکعت وتر پڑھتے تو آٹھویں رکعت میں التحیات میں بیٹھتے، دُعا مانگتے اور درود شریف پڑھتے۔"

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا ہے کہ: "اس دلیل سے شرح صدر نہیں ہوتا۔ کیونکہ نماز وتر کی بعض خصوصیات

ہیں۔ جو دوسری نمازوں میں نہیں۔ شاید یہ بھی نمازِ وتر کی خصوصیت ہو۔ نیز مسند البزار کے حوالہ پر لکھنا ٹھیک نہیں۔ یہ روایت ابن حبان اور مسلم شریف میں بھی ہے لیکن مسلم شریف میں درود شریف کا ذکر نہیں صرف دعا کا ذکر ہے"

چوتھا مسئلہ :۔ یہ ہے کہ سجدہ جاتے وقت ہاتھ پہلے رکھے یا گھٹنے ؟

شیخ البانی کا خیال ہے کہ: "ہاتھ پہلے رکھے۔ گھٹنے پہلے رکھنے کی حدیث موضوع ہے"

حضرت العلام فرماتے ہیں۔ "اس روایت پر موضوع کا حکم لگانا ٹھیک نہیں۔ البتہ ہاتھ رکھنے کی حدیث راجح ہے کیونکہ اس کا شاہد موجود ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں حدیثوں میں موافقت بھی ہو سکتی ہے۔" اس سے آگے حضرت العلام نے موافقت کی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

پانچواں مسئلہ :۔ اس میں حضرت العلام نے شیخ البانی کی تائید فرمائی ہے۔

چھٹا مسئلہ :۔ شیخ البانی کا خیال صحیح نہیں۔ سفر میں اگر چار روز سے کم اقامت کی نیت ہو تو وہ مسافر ہے اگر اس سے زیادہ کی نیت ہو تو وہ مقیم ہے اور جو شخص عصر تک یا عشاء تک گھر پہنچ سکتا ہے وہ گھر پہنچ کر مسافر نہیں رہتا اس کو اس پر کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسافر کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہو تو اس کے لئے جمع ثابت نہیں۔ بلکہ جو چلنے کی تیاری کر رہا ہو یا چل رہا ہو، اس کے لئے ثابت ہے۔

ساتواں مسئلہ :۔ حضرت العلام شیخ البانی کی تائید فرمائی ہے۔ البتہ حدیث الحمٰی کے راوی ابو جعفر میں اختلاف ذکر کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

۱ حدثنا محمد بن احمد بن البراء البغدادی ثنا علی بن الجعد ابو سعید الثقری عن زیاد الجصاص عن ابی عبد الرحمٰن بن ابی بکرة عن ابیه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال اذا خلع احدکم نعلیه فی الصلوٰة فلا یجعلهما بین یدیه فیأثم بهما ولا من خلفه فیأثم بهما اخوه المسلم ولکن لیجعلهما بین رجلیه لم یروه عن زیاد الا ابو سعید الثقری البصری تفرد به علی بن الجعد ولا یروی عن ابی بکرة الا بهذا الاسناد المعجم الصغیر

للطبراني ص١١ وذكر هذا الحديث صاحب مجمع الزوائد ولكن عزاه الى المعجم الكبير فقال عن ابي بكرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى احدكم فخلع نعليه فلا يخلعهما عن يمينه فيأثم بهما ولا من خلفه فيأثم بهما صاحبه ولكن ليخلعهما بين ركبتيه رواه الطبراني في الكبير وفيه زياد الجصاص ضعفه ابن معين وابن المديني وغيرهما وذكره ابن حبان في الثقات (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ص٥٥)

وقال الاستاذ الشيخ الالباني استاذ الاساتذة في الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة

قلت والراوي عنه ابو سعيد الشقري اسمه المسيب بن شريك مثله في الضعف او اشد فقد قال ابن معين ايضا ليس بشيء وقال احمد ترك الناس حديثه وقال البخاري سكتوا عنه وقال مسلم وجماعة متروك وقال الفلاس متروك الحديث. انتهى عبارة الشيخ الالباني۔

اقول ونحوه في الميزان وزاد وقال عبدالله بن احمد قلت لابي الشيء انكر عليه قال حدث عن الاعمش ارسل اهل السجون الى ابراهيم يسئلونه كيف الصلوة يوم الجمعة. انكر عليه هذا الحديث وقال ابو سعيد يدعوا دعاءً حسناً وكان في دعائه بعض ما تنكره الجهمية قال لو شرق له وجهك قال عبدالله حدثنا محمد بن الصباح حدثنا اسمٰعيل بن زكريا عن الاعمش قال بعث اهل السجون الى ابراهيم يسئلونه كيف الصلوٰة يوم الجمعة فقال صلوا اربعاً بغير اذان ولا اقامة فعلم منه ان الجرح فيه انه يروي المناكير وقال الذهبي في ترجمة احمد بن العتاب المروزي ما كل من روى المناكير بضعيف.

(الميزان المجلد الاول ص٥٢)

وخف بذلك جرحه وان كان ضعيفاً ولكن ما ذكر صاحب المجمع فيه جرحاً ولعله عنده غيره. فان الشقري[له] في الطبراني بصري يروي عن زياد الجصاص والذي في الميزان كوفي يروي عن الاعمش او لم يعدّ روايته المناكير فيه جرحا كما ذكرنا عن الذهبي وزياد الجصاص وان كان ضعيفاً لكن ذكر ابن حبان اياه في الثقات خفف جرحه.

وعلى كل حال فحديث الطبراني يعتبر به اذا اعتضد وتأيد باحاديث اخر وههنا كذلك۔

وفي منتخب كنز العمال اذا صليت فصل في نعليك فان لم تفعل فضعهما تحت قدميك ولا

له الشقري بفتحتين منسوب الى شقرة بن الحارث (وهو بطن من الازد) منهم احمد واصرم وميمون بن بشير كذا في المغني ١٢

تضعهما عن يمينك ولا عن يسارك فتؤذى الملائكة والناس واذا وضعتهما بين يديك كانما بين يديك قبلة (خط) عن ابن عباس منتخب كنز العمال بهامش مسند الامام احمد الجزء الثالث ص٢٢٣ فهذه الرواية المرفوعة رواه الخطيب البغدادى فى تاريخه عن ابن عباس تؤيد رواية الطبرانى.

وفى ابى داؤد باب المصلى اذا خلع نعليه اين يضعهما.

حدثنا الحسن بن على حدثنا عثمان بن عمر ثنا صالح بن رستم ابو عامر عن عبد الرحمن بن قيس عن يوسف بن ماهك عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا صلى احدكم فلا يضع نعليه عن يمينه ولا عن يساره فتكون عن يمين غيره الا ان يكون فى يساره احد وليضعهما بين رجليه.

حدثنا عبد الوهاب بن نجدة حدثنا بقية وشعيب بن اسحاق عن الاوزاعى حدثنى محمد بن الوليد عن سعيد بن ابى سعيد عن ابيه عن ابى هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا صلى احدكم فخلع نعليه فلا يؤذ بهما احدا ليجعلهما بين رجليه.

فهذان الحديثان يدلان بمفهوميهما ان لا يضع المصلى نعليه قدامه وقال صاحب عون المعبود فى شرحهما قوله فتكون عن يمين غيره اى فتقع نعلاه على يمين غيره قال الطيبى هو بالنصب جوابا للنهى اى وضعهما عن يساره مع وجود غيره سبب لان تكون عن يمين صاحبه وفيه نوع اهانة له وعلى المؤمن ان يحب لاخيه ما يحب لنفسه ويكره له ما يكره لنفسه.

وقوله الا ان لا يكون عن يساره احد اى فيضعهما عن يساره.

قال المنذرى فى اسناده عبد الرحمن بن قيس ويشبه ان يكون الزعفرانى البصرى كنيته ابو معاوية لا يحتج به.

وقوله فلا يؤذ اى بوضعهما على يمين احد او قدامه او بوجه آخر من وجوه الايذاء بهما. قوله ليجعلهما بين رجليه وانما لم يقل او خلفه لئلا يقع قدام غيره او لئلا يذهب خشوعه لاحتمال ان يسرق كذا فى المرقاة

وفى ابى داؤد فى باب الصلوة فى النعل.

حدثنا موسى بن اسماعيل ثنا حماد بن زيد عن ابى نعامة السعدى عن ابى نضرة عن

ابی سعید بن الخدری قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باصحابہ اذ خلع نعلیہ فوضعهما عن یسارہ الحدیث۔

فثبت بقولہ وفعلہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان القدام لیس محلا لوضع النعلین وایضا فی ابی داؤد فی باب الانتعال۔

حدثنا قتیبۃ بن سعید ثنا صفوان بن عیسیٰ ثنا عبداللہ بن هارون عن زیاد بن سعد عن ابی نهیک عن ابن عباس قال من السنۃ اذا جلس الرجل ان یخلع نعلیہ فیضعهما بجنبہ۔

قال صاحب عون المعبود فی شرحہ ای بجنبہ الایسر تعظیما للاوّل ولا یضع قدامہ تعظیما للقبلۃ ولا وراءہ خوفا من السرقۃ کذا قال القاری فی المرقاۃ فی باب النعال من الجزء الرابع۔

وایضا ورد الاحادیث الصحاح فی البزاق ان لا یبزق قدامہ فان اللہ یواجهہ وفی بعض الروایات ایحب احدکم ان یبصق فی وجهہ ففیها اصرح دلالۃ ان لا یضع النعلین قدامہ لان فیہ ایضا اهانۃ للہ تعالیٰ فان قلت ثبت فی بعض الروایات وضع النعلین بین یدیہ وفی ...... منتخب کنز العمال ص ۲۲۳ من تمام صلوٰۃ احدکم اذا لم یکن نعلاہ فی رجلیہ ان یضعهما بین یدیہ الدیلمی عن ابی هریرۃ۔

فهذا الحدیث یعارض ما سبق والجواب عنہ ان المراد من بین یدیہ بین رجلیہ وبین رکبتیہ کما مر فی الروایات المذکورۃ فان الوضع .... بین رجلیہ مائلا الی القدام هو الوضع بین یدیہ ویدل علیہ لفظ بین رکبتیہ ..... والمراد من القدام حیث تکون قبلۃ وهو موضع السترۃ فلا تعارض۔

۲ الراوی عن عمرؓ ابو عثمان النهدی لا ابو قلابۃ وابو عثمان النهدی من کبار التابعین مخضرم مات سنۃ اربع ومائۃ ومثلہ مروی عن ابن مسعود والراوی عنہ ابو قلابۃ کما فی ابن جریر وابن کثیر الجزء الثانی سورۃ رعد ص ۵۱۹ وایضا فی دعاء عمرؓ وابن مسعودؓ ذکر آیۃ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب فصار مثل ما قال الذهبی فی کتاب العلو ص ۳۱ وقال محمد بن احمد بن البراء حدثنا عبدالمنعم بن ادریس عن ابیہ عن وهب بن منبہ عن ابی هریرۃ ان یهودیا قال یا احمد ما یصنع الرب الیوم قال هو علی عرشہ یدبر الامر یفصل الآیات وهذا منکر ایضا ومعناہ حق لکن عبدالمنعم کذبہ احمد وغیرہ۔

واما قال الشيخ الالبانى ايضا صحيح ففى باب الايمان بالقدر من مشكوة المصابيح وعن ابى خزامة عن ابيه قال قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ارأيت رقى نسترقيها ودواء نتداوى به وتقاة نتقيها هل ترد من قدر الله شيئا قال هى من قدر الله رواه احمد والترمذى وابن ماجه.

والموافقة ان التقدير تقديران (١) تقدير مبرم (٢) وتقدير معلق. التقدير المبرم ما كتبه القلم فى اللوح وهو لا يتغير والتقدير المعلق ما تكتبه الملئكة فى صحفهم وفيه ايضا عن ابن مسعود قال قال حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الصادق المصدوق ان خلق احدكم يجمع فى بطن امه اربعين يوما نطفة ثم يكون علقة مثل ذلك ثم يكون مضغة مثل ذلك ثم يبعث الله اليه ملكا باربع كلمات فيكتب عمله واجله.... ورزقه وشقى او سعيد ثم ينفخ فيه الروح فوالذى لا اله غيره ان احدكم يعمل بعمل اهل الجنة حتى ما يكون بينه وبينها الا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل اهل النار فيدخلها وان احدكم ليعمل بعمل اهل النار حتى ما يكون بينه وبينها الا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل اهل الجنة فيدخلها متفق عليه .

فهذا الكتب يتغير كما فى باب البر والصلة من مشكوة المصابيح وعن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احب ان يبسط له فى رزقه وينسأ له فى اثره فليصل رحمه متفق عليه وقال الشيخ عبد الحق الدهلوى فى شرحه اللمعات والتحقيق انها سبب لزيادة العمر كسائر اسباب العالم ومن اثر الله زيادة ... عمره وحققه لصلة الارحام والزيادة انما هو بحسب الظاهر بالنسبة الى الخلق واما ... فى علم الله تعالى فلا زيادة ولا نقصان وهو وجه الجمع بين قوله صلى الله عليه وسلم ... جف القلم بما هو كائن وقوله تعالى يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب .

٣ الاستدلال برواية الصلوة على النبى والدعاء فى التشهد فى الركعة الثامنة من الوتر على جواز الصلوة والدعاء فى غير صلوة الوتر لا ينشرح له الصدر لان صلوة الوتر لها خصوصيات منها التشهد فى الثامنة فيحتمل ان يكون هذا ايضا منها .

وهذه الرواية التى ذكرها الشيخ الالبانى رواه ابن حبان ومسلم ايضا ولكن مسلما ذكر الدعاء ولم يذكر الصلوة ولا بد منها فان الدعاء يتلو منها ففى باب الصلوة على النبى من المشكوة عن فضالة بن عبيد قال بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد اذ دخل رجل فصلى فقال اللهم اغفرلى وارحمنى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجلت ايها المصلى اذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو اهله وصل

على شر ادعه قال ثم جاء رجل آخر بعد ذلك فحمد الله وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم فقال ... له النبي صلى الله عليه وسلم ايها المصلي ادع تجب . رواه الترمذي وروى ابوداؤد والنسائي نحوه .

۴ الحكم بوضع الحديث ليس بجيد ففي باب صفة الصلوٰة من بلوغ المرام عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سجد احدكم فلا يبرك كما يبرك البعير وليضع يديه قبل ركبتيه اخرجه الثلاثة وهو اقوى من حديث وائل بن حجر رأيت النبي صلى الله عليه وسلم اذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه اخرجه الاربعة فان للاول شاهدا من حديث ابن عمر صححه ابن خزيمة وذكره البخاري معلقا موقوفا ـ انتهى .

ويمكن الجمع بينهما ان الثاني محمول على الكبر فان وائل بن حجر جاء اخيرا من اليمن ويمكن ان يكون فعله للجواز كما في حديث الوتر اجعلوا آخر صلوٰتكم ... في الليل الوتر مع حديث ان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي ركعتين بعد الوتر جالسا .

۵ ما ورد فيه النص والعلماء مختلفون والراجح ما قاله الشيخ الباني والايلزم حرمان الاكثر من الفضيلة التي وردت لهذه المساجد الثلاثة لان اصل موضع هذه المساجد لا يسع الا قليلا من الناس وايضا حكم بنيان الكعبة وحكم لرحمة واحد والكعبة بنيت مرة بعد مرة وادخلت في بناءها الاجزاء من خارج فكذلك العرصة .

۶ الاحتياط فيه ان لا يجمع والفرق ظاهر وباختلاف النية يتغير الحكم . مثلا او نوى الاقامة في موضع الى اربعة ايام يتم وان تردد يقصر وان اقام الى شهر كذلك المسئلة المذكورة وايضا لم يثبت الجمع للمسافر في حالة الاقامة بل عند السير فقط .

۷ ما قال الشيخ الالباني فيه صحيح والمسئلة طويلة الذيل وقد فرغنا منها في كتابنا "سماع الموتى" وللعلماء فيها كتب مبسوطة من يريد التفصيل فليراجعها ـــــ وما قال الشيخ الالباني في ان المراد من ابي جعفر عمير بن عبد العزيز ففيه شئ ففي الترمذي ابوجعفر اسمه عمير بن يزيد بن خماشة (المجلد الثاني ص۱۹۴ باب ما جاء في جامع الدعوات)

وقال الترمذي في حديث الاعمى هذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه من حديث ابي جعفر وهو غير الخطمي (الباب المذكور ص۱۹۷) هذا والسلام

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَعْمَالَنَا كُلَّهَا صَالِحَةً وَاجْعَلْهَا لِوَجْهِكَ خَالِصَةً وَلَا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ فِيْهَا شَيْئًا . آمين

اِدَارَةُ اِحْيَاءِ السُّنَّةِ النَّبَوِيَّةِ

ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا ۔ ساجد القلم